قال اللہ عزّ وجلّ

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

الحمد للہ کہ کتاب جامع ولامع

مُسمّٰی بہ

جس میں اسلام کے اُصول ثلاثہ توحید اور رسالت اور قیامت کو عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے اور قدیم وجدید شبہات کا شافی اور کافی جواب دیا گیا ہے۔ اور معجزات اور سحر اور معجزہ کے فرق پر خاص طور پر کلام کیا گیا ہے حق تعالیٰ کے فضل سے اُمید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ بہت مفید اور نافع ہوگا۔ آمین

مؤلفہ

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم
شیخ الحدیث والتفسیر جامعہ اشرفیہ۔ لاہور

باہتمام۔ محمد میاں صدیقی

ناشرین

ادارہ اشرف التبلیغ۔ نیلہ گنبد۔ لاہور
علمی مرکز۔ لکشمی نرائن اسٹریٹ انارکلی۔ لاہور

قال اللہ عزّ وجلّ

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

الحمد للہ کہ کتاب جامع ولامع

مسمّٰی بہ

جس میں اسلام کے اصول ثلاثہ توحید اور رسالت اور قیامت کو عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے اور قدیم وجدید شبہات کا شافی اور کافی جواب دیا گیا ہے۔ اور معجزات اور سحر اور معجزہ کے فرق پر خاص طور پر کلام کیا گیا ہے حق تعالیٰ کے فضل سے اُمید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ بہت مفید اور نافع ہوگا۔ آمین

مؤلفہ

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم
شیخ الحدیث والتفسیر جامعہ اشرفیہ۔ لاہور

باہتمام۔ محمد سیال صدیقی

ناشرین

ادارہ اشرف التبلیغ۔ نیلہ گنبد۔ لاہور
علمی مرکز۔ لکشمی نرائن اسٹریٹ انارکلی۔ لاہور

ناشر ——— محمد میاں صدیقی

طابع ——— ویسٹ پنجاب پرنٹنگ پریس لاہور

طبع اول ——— جون سنہ ۶۰ء

قیمت - غیر مجلد ——— ۱/۱۲

قیمت - مجلد ——— ۲/۱۲

ملنے کا پتہ

علمی مرکز ——— نئی انارکلی ——— لاہور

فہرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلَیْنَا مَعَھُمْ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۔

اما بعد

ہر مذہب میں دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک اصول یعنی عقائد اور ایک فروع یعنی احکام - اصول محدود اور مختصر ہوتے ہیں اور فروع کا سلسلہ نہایت طویل ہوتا ہے ۔

کسی مذہب کا اگر حق یا باطل ہونا۔ صحیح یا غلط ہونا معلوم کرنا ہو، تو اس کے اصول کو جانچنا چاہیے۔ کیونکہ فروع اصول کے تابع ہوتی ہیں۔ جب اصول کا حسن ہونا ثابت ہو جائے گا تو فروع کا مستحسن ہونا خود بخود ثابت ہو جائے گا۔ نیز عقیدہ ایک قسم کی خبر ہوتا ہے جس کا مطابق واقع اور موافق عقل ہونا، جانچا اور دیکھا جا سکتا ہے اور اسی کے صحیح اور صادق۔ یا غلط اور کاذب ہونے کی بنا پر مذہب کا صحیح اور غلط ہونا موقوف ہے بخلاف احکام کے کہ وہ از قبیل انشاء ہیں نہیں زمان اور مکان اور اشخاص اور احوال کے اختلاف سے تغیر اور تبدل ہو سکتا ہے۔ لیکن خبر میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ نیز اصول اسلام کی پاکیزگی کو عقلی دلائل کے ساتھ ثابت کرنا ضروری ہے اور فروع کے لئے یہ ضروری نہیں - کہ ان کو عقلی دلائل سے ثابت کیا جائے اس لئے کہ بہت سے فروع عقل سے ثابت نہیں بلکہ محض سمع اور نقل سے ثابت ہیں، ہاں فروع کے لئے فقط اس قدر ضروری ہے کہ وہ خلافِ عقل نہ ہوں سو بحمد اللہ اصول اسلام سب عقلی ہیں اور فروع اسلام میں سے کوئی فروع خلاف عقل نہیں، اس لئے ہم اس مختصر تحریر میں اصول اسلام کا معقول اور مدلل ہونا بیان

کرتے ہیں تاکہ مذہب اسلام کی حقانیت اور صداقت اہلِ فہم پر واضح ہو جائے اور مقصود یہ ہے کہ اسلام کے تین اہم اصول یعنی توحید، رسالت، قیامت کی ایسی تشریح اور توضیح کردی جائے کہ جو طالبین حق کے لئے باعث شفاء و طمانیت اور مخالفین اور متردین کیلئے موجب ہدایت ہو۔ وَاللّٰہُ الْھَادِیْ اِلٰی سَوَاءِ الطَّرِیْقِ وَبِیَدِہٖ اَزِمَّۃُ التَّحْقِیْقِ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ ط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصولِ اسلام

اسلام کے اصول مسلمہ تین ہیں۔ ایک توحید، دوسرے رسالت، تیسرے قیامت، یہی تین باتیں تمام عقائد کے اصل اصول ہیں اور انہی تین پر تمام عقائد کی بنا ہے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ مخالفین اسلام کے سامنے پہلے توحید اور رسالت کو ثابت کریں۔ پھر جب توحید اور رسالت ثابت ہو جائے گی تو اس کے بعد کسی فرعی مسئلہ کی دلیل مانگیں گے تو اس کے جواب میں یہ کہہ دینا کافی ہوگا۔ کہ یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فلاں ارشاد سے صراحتہً یا اشارۃً ثابت ہے۔ اس کے بعد اگر وہ یہ کہے کہ یہ حکم خلافِ عقل ہے تو ہمارے ذمہ اس امر کا ثابت کرنا ہوگا کہ یہ حکم خلافِ عقل نہیں کیونکہ خلافِ عقل ہونا محال ہے۔ اس ناچیز نے اپنی کتاب علم الکلام۔ اور عقائد الاسلام میں اسلام کے عقائد پر تفصیلی کلام کیا ہے اور اس کتاب میں فقط ان تین اصول کی تشریح مقصود ہے۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم ۰ آمین

اسلام کی پہلی اصل توحید

اسلام کی پہلی اصل بلکہ تمام اصول کی روح اور جان توحید ہے۔ توحید لغت میں کسی چیز کو ایک جاننے اور ایک ماننے کا نام ہے، اور اصطلاح شریعت میں حق تعالیٰ کی وحدانیت کو دل و جان سے ماننے کا نام توحید ہے یعنی دل و جان سے یہ اعتقاد رکھنا کہ خدا تعالےٰ کی ذات اور صفات میں کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں اس کا نام توحید ہے۔ توحید کے دو مرتبے ہیں، اول مرتبہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کو ذات و صفات میں یکتا سمجھے اور کسی مخلوق کی پرستش نہ کرے، اور نہ اس کو مستقل نفع و ضرر کا مالک سمجھے۔ یہ توحید اہل شریعت کی ہے اور اہل طریقت کے نزدیک توحید یہ ہے کہ سوائے خدا کے کسی پر نظر نہ رکھے۔ اہل طریقت کے

نزدیک اسباب پر نظر رکھنا یہ بھی شرک ہے۔ صرف مسبب الاسباب پر نظر رکھنا یہ توحید ہے یہ توحید پہلی توحید سے اکمل ہے۔ حضرات صوفیہ کے نزدیک وحدانیتِ حق کے مشاہدہ کا نام توحید ہے اور بالفاظِ دیگر حادث اور فانی سے منہ پھیر لینا اور ہمہ تن قدیم اور باقی کی طرف متوجہ ہو جانے کا نام توحید ہے۔

چیست توحید آنکہ از غیر خدا فرد آئی در خلاء و ملا[ط]

چیست توحید خدا آموختن خویشتن را پیش واحد سوختن

مطلق توحید کا اجمالی اعتراف تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے حتیٰ کہ جن قوموں میں کھلم کھلا شرک اور بت پرستی ہے وہ بھی قادرِ مطلق کی ایک ہی ذات کو مانتے ہیں۔ البتہ اس کے مظاہر اور صفات کو متعدد مانتے ہیں۔ عیسائی تین خدا مانتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ تینوں ایک ہیں گو یہ تعبیر کتنی ہی غلط ہو لیکن اس سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے۔ کہ توحید کے بالکلیہ ترک پر وہ بھی راضی نہیں، بلکہ توحید کے ترک سے یہ بہتر سمجھتے ہیں کہ شرک کو توحید کے ساتھ جمع کر لیا جائے۔ اگرچہ یہ اجتماع۔ اجتماع نقیضین ہی کیوں نہ ہو غرض یہ کہ مطلق توحید کا اجمالی اعتراف تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ لیکن اسلام کو جو خصوصیت اور امتیاز حاصل ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس نے ایسی کامل اور خالص توحید کی دعوت دی، کہ جو شرک جلی اور شرک خفی کے شائبوں اور خرخشوں سے بالکلیہ پاک اور منزہ ہے۔

اسلام کی توحید یہ ہے کہ تمام کائنات کا خدا ایک ہے اسی ایک خدا نے سب کو وجود عطا کیا۔ اور وہی سب کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔ ایک ہی خدا ساری دنیا کا بلا مشقت اور بلا شرکت انتظام کرتا ہے نہ ذات میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ صفات میں کوئی اس کا شریک ہے۔ پیدا کرنا۔ زندہ کرنا۔ عالم الغیب ہونا، رزق دینا مستحق عبادت ہونا یہ تمام صفات خدا کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اسلام کے سوا اور مذہب اور دین والے اپنے اوتاروں اور پیغمبروں میں بھی یہ اوصاف مانتے ہیں۔ اور یہی توحید کا نقص ہے اسلام نے توحید کی تکمیل کیلئے توحید فی الذات کے ساتھ توحید فی الصفات اور توحید فی العبادت

[ط] یعنی توحید غیر خدا سے خلوت اور جلوت میں تعلق قطع کر لینے کا نام ہے۔

کو ہی غایت درجہ فرض اور لازم قرار دیا۔ یہاں تک غیر اللہ کیلئے سجدۂ تعظیمی کو کہ جو دیگر ادیان میں جائز تھا، اسلام نے اپنے ماننے والوں کیلئے اس کو حرام کر دیا۔

مجوسیوں کا عقیدہ

مجوسیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا میں دو طاقتیں کام کر رہی ہیں ایک یزدان اور دوسری اھرمن۔ یہ دونوں خدا ہیں اور ازلی اور ابدی ہیں۔ البتہ یزدان خیر کا خالق ہے اور اھرمن شر کا خالق ہے۔ یزدان پیدا کرتا ہے اور اھرمن مارتا اور فنا کرتا ہے۔ یزدان بناتا ہے اور اھرمن بگاڑتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس عقیدہ کو اگرچہ زردشت کے طرف منسوب کیا جاتا ہے اور مجوسیوں کے مذہب کا رکن اوّل ہے لیکن مورخین کے کلام سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ عقیدہ زردشت کے بعد پیدا ہوا، ہمیں اس سے بحث نہیں کہ یہ عقیدہ کب پیدا ہوا اور نہ ہمیں اس تحقیق میں پڑنے کی ضرورت ہے ہمیں تو دیکھنا یہ ہے کہ یہ عقیدہ صحیح ہے یا غلط۔

تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ خدا کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ کامل مطلق ہو مجبور اور ناقص نہ ہو تمام عیبوں سے پاک اور منزہ ہو؛ کائنات کے وجود کی باگ اس کے ہاتھ میں ہو، یہ تو عقلاء کا اتفاق اور اجماع ہے اور مجوسیوں کے عقیدۂ مذکورۂ بالا کی بناء پر یہ لازم آتا ہے کہ آدھی مخلوق تو ایک خدا کی ہے اور دوسری آدھی دوسرے خدا کی ہے۔ ہر خدا میں آدھی آدھی خدائی کی کمی اور کسر ہے۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ خدا وہ ہے کہ جو پوری خدائی کا مالک ہو، اور ظاہر ہے کہ خدائی میں کمی اور کوتاہی ایک عیب ہے۔ جس سے خدا کا پاک ہونا ضروری ہے، نیز مجوسیوں کے عقیدہ کے موافق یزدان اور اھرمن دو مستقل طاقتیں ہیں۔ جو ایک دوسرے کے ماتحت نہیں بلکہ ایک دوسرے کی ضد اور مد مقابل ہے اور خدا وہ ہے کہ جس کا کوئی مساوی اور مماثل نہ ہو۔ خدا کا کوئی ہمسر اور مد مقابل نہیں ہو سکتا۔ وہ خدا ہی کیا ہوا جس کا کوئی ہمسر اور برابر ہو۔ پس یزدان تو اسلئے خدا نہیں ہو سکتا کہ اھرمن اس کا مد مقابل ہے۔ اور اھرمن

اس لئے خدا نہیں ہو سکتا کہ یزدان اس کا مقابل ہے۔ پس معلوم ہوا کہ دو خدا والا عقیدہ یزدان اور اھرمن کا عقیدہ کسی طرح قابل قبول نہیں

وَقَالَ اللّٰہُ لَا تَتَّخِذُوْا اِلٰھَیْنِ اثْنَیْنِ اِنَّمَا ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ط

اور اللہ کا حکم یہ ہے کہ دو معبود اور دو خدا نہ ٹھہراؤ جز ایں نیست کہ معبود تو ایک ہی ہے دو نہیں۔

عیسائیوں کا عقیدہ

عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ خدا تین ہیں۔ باپ (خدائے تعالیٰ) بیٹا (عیسیٰ علیہ السلام) روح القدس اور تینوں غیر مخلوق اور ازلی اور ابدی اور قادر مطلق ہیں اور مسیح بندہ بھی ہے اور مالک بھی ہے، آدمی بھی ہے اور خدا بھی ہے۔ اور کبھی نصاریٰ حضرت مسیح کو خدائے مجسم کہتے ہیں۔ یعنی خدا جسم میں ظاہر ہوا۔ اور کبھی نصاریٰ حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور علی الاعلان خدا کی صفات ان میں بیان کرتے ہیں۔

جواب

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں تمہارا خدا اور معبود ہوں اور تم میرے بندے ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضرت مریم کے بطن سے پیدا ہونا اور انسانوں کی طرح کھانے اور پینے کا محتاج ہونا یہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ وہ انسان تھے خدا نہ تھے۔ اس لئے کہ خدائی اور احتیاج کا جمع ہونا ناممکن اور محال ہے۔

نیز حضرت عیسیٰ السلام کا خدا کی عبادت کرنا سب کے نزدیک مسلم ہے۔ پس اگر وہ خدا ہوتے تو ہرگز عبادت نہ کرتے اس لئے کہ خدا عابد نہیں ہوتا۔ خدا معبود ہوتا ہے۔ معاذ اللہ نصاریٰ ایسے خدا کے قائل ہیں کہ جو بول و براز سے منزہ نہیں۔

نصاریٰ شرک میں اول نمبر ہیں۔ فقط شرک فی الصفات کے قائل نہیں بلکہ شرک فی الذات کے قائل ہیں یعنی ذات کے مرتبہ میں تین خداؤں کے قائل ہیں اور باایں ہمہ توحید کے بھی دعویدار ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جس طرح ہمارے نزدیک حقیقت میں تین خدا ہیں ایسے ہی وہ حقیقت میں ایک بھی ہیں۔ نصاریٰ حق تعالیٰ کو واحد حقیقی بھی مانتے ہیں اور کثیر حقیقی بھی اور اتنا شعور نہیں کہ حقیقی وحدت اور حقیقی کثرت دونوں باہم متضاد ہیں اور اجتماع ضدین اور اجتماع نقیضین باتفاق عقلاء محال اور ناممکن ہے۔

نیز اگر کثرت حقیقی اور وحدت حقیقی کا اجتماع پادری صاحبان کے یہاں جائز ہے تو پھر تثلیث ہی پر کیوں قناعت کی۔ پادری صاحبان کو چاہیئے کہ تربیع اور تخمیس بلکہ تسدیس و تسبیع اور تثمین اور تعشیر بلکہ تالیف کا بھی اعتقاد رکھیں کہ جسطرح وحدت حقیقی کا تین کے ساتھ جمع ہونا ممکن ہے اسی طرح وحدت حقیقی کا چار اور پانچ آٹھ اور دس کے ساتھ بلکہ مطلق ترکیب اور تالیف کے ساتھ بھی جمع ہونا ممکن ہے۔ غرض یہ کہ ایسا اتحاد تو اور اعداد میں بھی پایا جا سکتا ہے۔ تین ہی کی کیا خصوصیت ہے جو تثلیث کا اعتقاد تو ضروری ہو اور تربیع اور تخمیس وغیرہ سے انکار ہو۔

پادری صاحبان جب دلیل سے لاچار ہو جاتے ہیں تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ یہ امر متشابہات اور اسرار خداوندی میں سے ہے جو ہماری ناقص عقلوں میں نہیں آسکتا۔ افسوس اور صد افسوس کہ نصاریٰ کو محالات اور متشابہات کا فرق بھی معلوم نہیں۔ متشابہات ذات خداوندی اور صفات خداوندی اور ارواح بنی آدم) ایسی چیزوں کو کہتے ہیں کہ جو معلوم الوجود اور مجہول الکیفیت ہوں۔ یعنی اُن کا وجود تو معلوم ہے مگر ان کی کیفیت اور حقیقت معلوم نہیں۔ عقل کو ان کی حقیقت دریافت کرنے میں حیرت ہے اور محالات میں حیرت نہیں ہوتی اُن کا عدم یعنی اُن کا نہ ہونا یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے۔ متشابہات میں عدم العلم ہے اور محالات میں علم ہے عدم کا اور استحالہ کا اور عدم العلم اور علم العدم میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

دہ فیض محمد واسطے آئے جس کا جی چاہے	نہ آئے آتش دوزخ میں جلے جس کا جی چاہے
معاذ اللہ فرزند خدا کہتے ہو عیسیٰؑ کو	تو دادا کون ہے اُن کا بتائے جس کا جی چاہے

یہودیوں کا عقیدہ

یہودی عام طور پر توحید خداوندی کے قائل ہیں لیکن ان میں کا ایک فرقہ، حضرت عزیر کو اسی طرح خدا کا بیٹا مانتا تھا جیسے نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ قرآن کریم نے یہود کے اس فرقہ کا ذکر کیا ہے۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ۔ لیکن معلوم نہیں کہ یہ فرقہ اب روئے زمین کے کسی حصہ میں موجود ہے یا نہیں۔

ہندو مذہب

ہندو مذہب کسی ایک مذہب کا نام نہیں سیکڑوں بلکہ ہزاروں فرقوں پر ہندو مذہب کا لفظ بولا جاتا ہے اور وہ آپس میں اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ جن کے عقاید اور اعمال میں نہ تو کسی طرح توفیق و تطبیق ممکن ہے اور نہ کسی قدر مشترک کا متعین کرنا ممکن ہے ہندوؤں کی قوم عجیب قوم ہے اس قوم کا کوئی معبود متعین نہیں، ہر فرقہ الگ الگ خدا کا قائل ہے۔ کوئی تین خدا کا قائل ہے اور کوئی لکھ کا، اور کوئی دو لاکھ کا۔ اور کوئی تینتیس کا اور کوئی تینتیس کروڑ کا۔

لطیفہ

اب سے تیس[۳۰] سال پہلے پورے ہندوستان کے ہندوؤں کا عدد بیس کروڑ تھا۔ ایک عالم نے اثنائے تقریر میں کہا کہ عبادت کرنے والوں (یعنی ہندوؤں) کا عدد تو بیس کروڑ ہے اور معبودوں کا (یعنی دیوتاؤں) کا عدد تیس کروڑ سے بھی زیادہ ہے پس اگر تیس کروڑ کو بیس کروڑ پر تقسیم کیا جائے تو ایک ایک عابد کے حصہ میں ڈیڑھ ڈیڑھ معبود یعنی ۱½ خدا آئیں گے۔ اس حساب سے خداؤں کا عدد بندوں کے عدد سے ڈیڑھ گنا سے بھی زیادہ ہو جائے گا۔

اور بعض فرقے رامچندر جی کو خدا مان کر ان کی پرستش کرتے ہیں۔ ہندوؤں کے نزدیک

خدائے تعالےٰ اوتاروں میں حلول کرتا ہے۔ اور اوتار خود خدا ہوتا ہے۔ حالانکہ رام چندر اوتار کی بیوی کو لنکا کا راجہ راون چھین کر لے گیا تھا۔ مدّتِ دراز تک رام چندر اس کے عشق میں حیران اور سرگردان پھرتے رہے اور کچھ پتہ نہ چلا۔ بالآخر جب پتہ چلا تو راون کو شکست دینے کے لئے ہنومان وغیرہ سے مدد لی۔ معاذ اللہ معاذ اللہ کیا خدا بھی کسی عورت کے عشق میں مبتلا ہو کر اُس کی تلاش میں سرگرداں پھر سکتا ہے اور معاذ اللہ کیا کوئی خدا کی بیوی کو بہکا کر لیجا سکتا ہے۔ اور پھر کیا خدا اپنی بیوی کو بغیر کسی کی امداد کے چھڑا نہیں سکتا۔ اور بعضے کرشن مہاراج کے پرستار ہیں اور ہندوؤں میں ایک فرقہ وہ بھی ہے کہ عضوِ تناسل کی پرستش کرتا ہے۔ اس فرقہ کا بیان ہے کہ پہلے کے زمانہ میں ایک مرتبہ برہما اور وشنو میں سخت بحث ہو رہی تھی برہما کہتا تھا کہ میں موجوداتِ عالم کا خالق ہوں اور وشنو کہتا تھا کہ میں خالق ہوں۔ یکایک ایک نہایت حیرت انگیز ایک لنگ ظاہر ہوا جس کو دیکھ کر دونوں حیران اور پریشان ہو گئے اور اس لنگ کے سامنے کانپنے اور تھرتھرانے لگے۔ اتنے میں اچانک یہ آواز آئی + اوم۔ ادم + اور لنگ کے پہلو میں تین حروف نظر آئے۔ ا۔ و۔ م۔ جس کا مطلب یہ سمجھا گیا ہے کہ لنگ ہی مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس لئے لنگ کی پرستش کرنے لگے۔

غرض یہ کہ ہندو مذہب اس قسم کے حیاء سوز اور شرمناک خرافات اور مہملات کا مجموعہ ہے جس کی تردید کی زحمت گوارا کرنا بھی فضول ہے۔

آریہ سماج

آریہ سماج ہندوؤں کے بے شمار فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے جس کا بانی پنڈت دیانند سرستی ہے۔ جو سوامی درجانند سرستی کا چیلہ تھا۔ پنڈت دیانند سرستی نے ویدوں اور اپنشدوں کی طرف بھی خصوصی توجہ مبذول کی اور ساتھ ہی ساتھ علوم جدیدہ اور مغربی فلسفہ سے بھی آگاہی اور واقفیت حاصل کی اور یہ چاہا کہ ہندو مذہب کی کمزوریاں اور اس کے تمام عیوب کو چُن چُن کر الگ کر دیا جائے اور ایسا مذہب تیار کیا جائے کہ جو فلسفۂ جدیدہ کے بھی خلاف نہ ہو۔

تاکہ ہندو مذہب ایک مضبوط مذہب بن جائے۔ لہٰذا ایک طرف تو توحید کے مدعی بنے کہ ہم خدا کو ایک مانتے ہیں اور کسی کو اس کا شریک نہیں جانتے۔ اور دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ روح اور مادہ قدیم ہیں خدائے تعالیٰ نے روح اور مادہ کو پیدا نہیں کیا بلکہ اتفاق سے روح اور مادہ، خدا کو مل گئے۔ حق تعالےٰ نے ان دونوں کو جوڑ جاڑ کر قسم قسم کی چیزیں بنائیں۔ اگر خدا کو مادہ کے ذرّات نہ ملتے تو خدا نہ زمین پیدا کر سکتا، اور نہ آسمان اور نہ چاند اور نہ سورج، اور اگر مادہ کے ساتھ روحیں نہ ہوتیں تو انسان اور حیوان کو نہ بنا سکتا۔ یہ فرقہ حق تعالےٰ کو حقیقی معنی میں خالق نہیں مانتا، اور نیز آریہ مذہب پر حق تعالےٰ کو علیٰ کلِّ شئیٍ قدیر نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک حق تعالےٰ بغیر روح اور مادہ کی امداد کے کائنات کے پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ اور مادہ اور روح کے فنا کرنے پر قادر نہیں

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ

بعض حماقت شعار یہ اعتراض کیا کرتے ہیں۔ کہ اگر اللہ کی صفت علیٰ کلِّ شئیٍ قدیر ہے تو خدائے تعالیٰ اپنا مثل دوسرا خدا بھی بنا سکے گا۔ لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ تمام صفات کاملہ کے ساتھ موصوف ہے۔ اور تمام نقائص اور عیوب پاک اور منزہ ہے۔ لہٰذا اس میں کوئی ایسی صفت نہیں فرض کی جا سکتی کہ جو اس کی صفت کاملہ کے منافی ہو اور عیب اور نقصان کا سبب بنے، پس خدا کا اپنے مثل دوسرے خدا کا بنانا اُس کی صفت وحدت اور یکتائی کے منافی ہے۔ اور اس کے مماثل اور مقابل کا ہونا اس کے لئے عیب ہے اس لئے دوسرے خدا کا وجود ہی فرض نہیں کیا جا سکتا۔ یہ فرض ہی سراسر غلط ہے۔

بودھ مت والوں کا عقیدہ

اس مذہب کے پیرو آج کل چین۔ جاپان۔ تبت۔ نیپال۔ برہما۔ سیلون وغیرہ وغیرہ

مختلف ملکوں میں موجود ہیں، مگر ہر ملک کے بودھوں کا عقیدہ مختلف اور ایک دوسرے سے جدا ہے۔ بعض مصنفین کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ بودھ مذہب میں ذات باری تعالےٰ کی ہستی کا عقیدہ ہی نہیں پایا جاتا اور وہ ایک دہریہ مذہب تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس مذہب والے وجود باری تعالیٰ کے قائل ہیں اور اس کو وحدہٗ لاشریک لہٗ مانتے ہیں اور برہمنوں کے مشرکانہ عقائد سے بیزار ہیں۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ ہر مذہب توحید کا مدعی ہے۔ لیکن اسلام نے جو خالص اور کامل توحید پیش کی ہے کوئی قوم اس بے غل وغش توحید کا مقابلہ نہیں کر سکتی کسی نے اینٹ اور پتھر کے سامنے گردن ڈال دی۔ اور کسی نے آگ پانی کو قابل پرستش سمجھا۔ اور کسی نے اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی مورتوں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا اور کسی نے یہ سمجھا کہ خدا تعالیٰ معاذ اللہ اتنا کمزور ہے کہ بغیر مادہ اور روح کے نہ کچھ بنا سکتا ہے اور نہ بگاڑ سکتا ہے اور کسی نے یہ سمجھا کہ ایک انسان باوجود تمام بشری حاجتوں کے اور اُن کے خیال میں باوجود دشمنوں کے ہاتھ سے مقتول اور مغلوب ہونے کے خدا ہو سکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حق اور سچا مذہب وہی ہوگا کہ جس کی توحید خالص اور کامل ہو، اور جس مذہب کی توحید شرک کے ساتھ ملی ہوئی ہوگی وہ باطل ہوگا۔

شرک کی حقیقت

شرک، چونکہ توحید کی ضد ہے۔ اس لئے توحید کے بعد شرک کی حقیقت[۱] بیان کرنا مناسب بلکہ ایک درجہ میں ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ضد کے بیان دینے سے اصل کی حقیقت خوب واضح ہو جاتی ہے۔ ع وبضدہا تتبین الاشیاء، شرک کے معنی لغت میں حصہ دار ہونے کے ہیں۔ اور

[۱] امداد الفتاویٰ حصہ خامسہ ص ۵۱۹ امداد المسائل ص ۸ امداد المفتین ص ۹۳ ج ۱ المقالۃ المرضیہ فی حکم سجدۃ التحیۃ ص ۳۶۹ کی مراجعت کریں

شریعت میں۔حق تعالیٰ کی صفات مخصوصہ کو غیر خدا کیلئے ثابت کرنے کا نام شرک ہے۔ مثلاً غیر خدا کو واجب الوجود سمجھنا جیسے مجوسی سمجھتے ہیں یا مثلاً جیسا علم خدا تعالیٰ کو ہے ویسا ہی علم غیر خدا کیلئے سمجھنا یا جیسی قدرت خدا میں ہے ویسی ہی قدرت غیر خدا کیلئے ثابت کرنا یا جیسے مریض کو شفاء دینے کی صفت خدا میں ہے۔ ویسی ہی صفت غیر خدا کیلئے سمجھنا یا دنیاوی معاملات میں اپنے ارادہ سے غیر خدا کو متصرف سمجھنا یا غیر خدا کو مستحق عبادت سمجھنا جس طرح بت پرست سمجھے ہیں یہ سب صفتیں اللہ تعالیٰ کیلئے مخصوص ہیں جو شخص ان صفات مخصوصہ میں سے کسی صفت کو غیر خدا کیلئے خدا کی طرح ثابت کرے گا۔ وہ مشرک کہلائے گا۔ اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔ قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ اس قسم کے شرک سے انسان دائرہ اسلام سے بالکل خارج ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن اور حدیث میں ریاء اور نمود کیلئے نماز پڑھنے اور صدقہ دینے پر بھی شرک کا اطلاق آیا ہے اور غیر خدا کی قسم کھانے میں بھی شرک کا لفظ استعمال ہوا ہے اور کسی جانور وغیرہ سے بدشگونی لینے پر بھی شرک کا اطلاق آیا ہے۔

اس قسم کے مواقع میں شرک سے شرک حقیقی مراد نہیں کہ جس کی بناء پر کفر کا حکم لگایا جا سکے بلکہ ان افعال پر رسوم شرکیہ کے مشابہت کی بناء پر شرک کا اطلاق کر دیا گیا ہے۔ اور شریعت کا مقصد یہ ہے۔ کہ یہ افعال شدید ترین حرام ہیں اور کفر و شرک کے مشابہ ہیں۔ غیر اللہ کو معبود سمجھ کر سجدہ کرنا شرک اعتقادی ہے جو تمام ادیان اور ملل میں کفر قرار دیا گیا۔ اور غیر اللہ کو بطور سلام محض تعظیماً سجدہ کرنا یہ حضرت آدم اور حضرت یعقوب علیہما السلام کی شریعت میں جائز تھا۔ شریعت محمدیہ میں حرام قرار دیا گیا۔ محض سجدہ تعظیمی بطور سلام و آداب۔ اگر حقیقۃً کفر اور شرک ہوتا تو کسی نبی کی شریعت میں بھی جائز نہ ہوتا۔ کیونکہ شرک کسی شریعت میں جائز نہیں قرار دیا گیا شریعت محمدیہ چونکہ اکمل الشرائع ہے اس لئے اس میں سجدہ تعظیمی کو بھی ممنوع قرار دیا گیا۔ اس لئے کہ اس میں صورت شرک کی ہے اس بناء پر غیر اللہ کو بدون اعتقاد معبودیت محض تعظیماً سجدہ کرنا شرک عملی ہوگا۔ شرک اعتقادی نہ ہوگا اور اصل شرک، شرک اعتقادی ہے، جو انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کرتا ہے۔

مشرکین مکہ۔ جو بتوں کی عبادت کرتے تھے یا جو ہندو اپنے اوتاروں کی عبادت کرتے ہیں وہ اپنے بزرگوں کو علم اور قدرت میں خدا کے برابر نہیں سمجھتے لیکن اُن کو شریک فی الالوہیت سمجھتے ہیں اور زبان سے اُن کو خدا اور معبود اور شریک خدائی کہتے ہیں۔ جیسا کہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا۔ فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ۔ وَيَجْعَلُوْنَ لَهٗ اَنْدَادًا ط

ان لوگوں کا اعتقاد یہ تھا کہ جس طرح شاہانِ عظیم الشان اپنے مقربانِ خاص کو ملک کے کسی خاص حصہ کا فرمانروا اور مختار مقرر کر دیتے ہیں اور بدون حکم شاہی کے رعایا کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خود انتظام کرتے رہتے ہیں۔ اور ان کا اجراء اور نفاذ سلطانِ اعظم کی منظوری پر موقوف نہیں ہوتا۔ گو اگر وہ روکنا چاہے تو روک سکتا ہے اور غالب اسی کی قدرت رہیگی۔

اسی طرح احکم الحاکمین اور بادشاہ علی الاطلاق جل شانہ نے اپنے خاص بندوں کو رتبۂ الوہیت کی خلعت سے سرفراز کرتے ہیں۔ اور اُن کو کچھ قدرت مستقلہ عطا فرما کر کسی تدبیر و تصرف کا مختار بنا دیتے ہیں اور وہ اپنی تدبیر و تصرف میں حکم خداوندی کے منتظر نہیں رہتے اور کسی کو نفع اور ضرر پہنچانا حق تعالےٰ کے ارادہ اور مشیت جزئیہ پر موقوف نہیں ہوتا۔ گو اگر حق تعالےٰ روکنا چاہیں تو قدرت اُسی کی غالب رہے گی۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ شرکِ اکبر اور شرکِ اصغر یا بالفاظ دیگر شرک اعتقادی اور شرکِ عملی کا فرق صرف نیت اور اعتقاد پر ہے۔ اگر غیر اللہ کو رکوع اور سجود بنیت عبادت کیا ہے اور معبود سمجھ کر اُن کے سامنے سر جھکایا ہے تو یہ شرکِ اکبر ہے اور اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ میں اسی قسم کا شرک مراد ہے۔ اور اگر بلا معبود سمجھے ہوئے اور بلا نیت عبادت محض تعظیماً بطور سلام و آداب کسی کو رکوع اور سجدہ کیا ہے تو یہ شرکِ اصغر ہوگا۔ بلغاء نے لکھا ہے کہ اَنْبَتَ الرَّبِيْعُ الْبَقْلَ کا قائل اگر دہری ہے تو یہ کلام اسناد حقیقی پر محمول ہوگا۔ معلوم ہوا کہ اصل دار و مدار اعتقاد پر ہے

اور یہ شرک پہلے شرک سے کم درجہ میں ہے! اور یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَاءُ میں اسی قسم کا شرک داخل ہے۔

معتزلہ بندہ کو اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ قدریہ (جو لوگ بندہ کو اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں) اس امت کے مجوس ہیں معلوم ہوا کہ معتزلہ باوجود اس عقیدہ کے امّتِ اسلامیہ کے دائرہ سے خارج نہیں۔ اس لئے کہ معتزلہ بندہ کو خدا کیطرح خالق اور فاعل مطلق اور قادر مطلق نہیں مانتے اسی وجہ سے متکلمین اور فقہاء نے معتزلہ کو فرقِ اسلامیہ سے شمار کیا ہے، حقیقتہً مجوس کی طرح اُن کو کافر اور مشرک نہیں بتایا نتیجہ یہ نکلا کہ خلق افعال کا شرک۔ مجوس کے شرک سے کم درجہ ہے اور یہ شرک انسان کو ملّتِ اسلام سے بالکلیہ خارج نہیں کرتا۔

اسلام کی دوسری اصل۔ نبوّت و رسالت

اسلام کی دوسری اصل نبوّت و رسالت ہے وحدانیت کیطرح نبوت و رسالت کو حق سمجھنا، اور اس پر ایمان لانا فرض اور لازم ہے یعنی جس طرحِ حق تعالیٰ نے انسان کے جسمانی امراض اور بدنی بیماریوں کے معالجہ کیلئے اطباء کو پیدا کیا اسی طرح روحانی امراض اور دلی بیماریوں کے معالجہ کیلئے رسولوں اور انبیاء کو بھیجا تاکہ ہماری روحانی بیماریوں کا مداوی کریں اور جن امور یعنی مثلاً اقوال و اخلاق کو ہماری عقلیں معلوم نہیں کر سکتیں اُن سے بندوں کو آگاہ کریں ان امور کو بندے، اگرچہ خود بخود اپنی عقلوں سے معلوم نہیں کر سکتے لیکن ان میں اتنی استعداد ضرور ہوتی ہے کہ اگر کوئی انکو بتا دے تو اس کو سمجھ سکیں۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے طبیب اور ڈاکٹر کے بتلائے بغیر ادویہ کے خواص معلوم نہیں ہو سکتے لیکن طبیب کے بتلانے سے معلوم اور مفہوم ہو سکتے ہیں اور تجربہ سے پوری طور پر اُن کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

اب ہم اسلام کی اس دوسری اصل کے متعلق چند ضروری بحثیں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

منصب نبوت

حق جل شانہ نے کائنات کو مختلف الانواع اور مختلف الاقسام پیدا فرمایا اور کائنات کی کوئی نوع ایسی نہیں کہ جس کے افراد میں حق تعالیٰ نے اختلاف و تفاوت نہ رکھا ہو جمادات میں کوئی سنگریزہ ہے اور کوئی ہیرہ ہے نباتات میں ساگ اور پالک بھی ہے اور گلبنفشہ اور زعفران بھی ہے۔ حیوانات کو لیجئے۔ انہیں گدھا اور کتا بھی ہے اور بکری اور ہرن بھی ہے انسانوں کو لیجئے کسی کا دل آئینہ کی طرح صاف و شفاف ہے کسی کا دل لوہے اور پتھر کی مانند ہے۔ آفتاب کی شعاعیں لوہے اور آئینہ سب پر پڑ رہی ہیں جو دل آئینہ کی طرح صاف اور شفاف ہے وہ آفتاب کی روشنی کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے اور آفتاب کا جلوہ دکھاتا ہے اور جو دل ابھی آئینہ ہی نہیں بنا یا آئینہ تو ہے مگر زنگ آلود ہے یا سیاہ ہے وہ آفتاب کے عکس کو قبول نہیں کرتا قصور قابل کی جانب سے ہے فاعل کی جانب سے نہیں اسیطرح سمجھو کہ نور السموٰات والارض کے انوار و تجلیات کے عکس کو وہی آئینۂ دل قبول کر سکتا ہے کہ جو تمام رذائل کے الوان سے پاک ہو اور ہر قسم کے زنگ سے صیقل ہو چکا ہو۔

پس بنی آدم میں سے جو نفوس آئینہ کی طرح صاف و شفاف ہوں۔ اور حیوانی اور شیطانی مادہ سے پاک اور منزہ ہوں ان میں سے حق جل شانہ کسی کو اپنی سفارت اور خلافت کیلئے منتخب فرماتے ہیں اور اُن کو اپنے کلام اور خطاب خاص سے عزت بخشتے ہیں اور اپنے احکام اور ہدایات سے اُن کو مطلع کرتے ہیں تاکہ یہ پاک نفوس۔ حق جل شانہ اور اس کے عام بندوں کے درمیان واسطۂ ابلاغ اور ذریعۂ پیغام خداوندی بن سکیں تاکہ لوگوں کو رشد اور ہدایت کی راہ پر لگائیں۔ اور مہلکات سے ڈرا کر دوزخ سے بچائیں اور منجیات کا پتہ دے کر راہ نجات پر لے آئیں۔ پس جس برگزیدہ بندہ کو حق تعالیٰ خلقت کی ہدایت کیلئے اپنا

پیام اور احکام دے کر بھیجیں، اہل اسلام کی اصطلاح میں اُس کو نبی اور رسول اور پیغمبر کہتے ہیں لفظ نبی اور نبوت۔ نبأ سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی خبر کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں نبی اوس برگزیدہ بندہ کو کہتے ہیں کہ جو من جانب اللہ۔ ہدایت خلق اور احکام الٰہیہ اور اخبار خداوندی کی تبلیغ پر مامور ہو یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ نبی اُس برگزیدہ بندہ کو کہتے ہیں جس کو حق تعالیٰ نے اپنے خاص خبروں اور حکموں کیلئے مخصوص کیا ہو کہ ان خبروں کو ذی عقل مخلوقات کی طرف پہونچائے تاکہ یہ برگزیدہ بندہ تمام لوگوں کو اُن تمام باتوں سے واقف کردے جو لوگوں کے دین اور دنیا کے صلاح اور فلاح کا ذریعہ ہیں پس جو برگزیدہ بندہ خدا تعالےٰ سے خبر پاکر بندوں کو خبر دے وہ نبی ہے اور ان چیزوں کے خبر دینے کا نام نبوت ہے اور وزارت اور سفارت کی طرح یہ ایک منصب جلیل ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے اپنے برگزیدہ بندوں کو عطا کیا گیا۔ محقق ابن امیر الحاج شرح تحریر الاصول صفحہ ۱ ج ۳ میں تحریر فرماتے ہیں۔

قال بعض المحققین اجمع الاقوال الشارحة للرسالة الالٰهیة انها سفارة بین الحق والخلق تنبّه اولی الالباب علی مایقصر عنه عقولهم من صفات معبودهم ومعادهم ومصالح دینهم ودنیاهم ومستحثات تهدیهم ودوافع شبه تردیهم۔ الخ

شرح تحریر الاصول صفحہ ۱ ج ۳

بعض محققین فرماتے ہیں کہ نبوت و رسالت کی سب سے زیادہ جامع تعریف یہ ہے کہ نبوت و رسالت، اُس منصب سفارت کا نام ہے کہ جو حق تعالیٰ اور مخلوق کے مابین ہو تاکہ خدا تعالیٰ کا یہ سفیر دینی، اس منصب سفارت کے ذریعہ اہل عقل کو اُن امور سے آگاہ کرے جس سے اہل عقل کی عقول قاصر اور عاجز ہیں مثلاً ان کو معبود برحق کی صفات اور کمالات اور معاد یعنی آخرت اور دینی اور دنیوی مصالح سے آگاہ اور واقف کرے اور پند و نصائح سے ان کی ہدایت اور رہنمائی کرے اور اُن شبہات کا ازالہ کرے جو ان کی ہلاکت اور بربادی کا سبب ہوں۔

(فائدہ) حضرات انبیاء کرام اگرچہ ایسے امور کو بیان فرماتے ہیں کہ جو لوگوں کی عقلوں سے بالا ہوتے ہیں اور لوگ اُن کو اپنی عقل سے معلوم نہیں کر سکتے لیکن اُن میں اتنی استعداد ہوتی ہے کہ اگر کوئی اُن کو بتائے تو اُن کی عقلیں اس کو سمجھ سکتی ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے طبیب، اور ڈاکٹر کے بتلائے بغیر ادویہ کے خواص معلوم نہیں ہو سکتے۔ مگر طبیب کے بتلانے سے سمجھ میں آسکتے ہیں۔ اور عقل پورے طور پر اُن کی تصدیق کرتی ہے اور معلوم کر کے اُنکو عمل میں لا سکتے ہیں۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نبوت کے معنی ارتفاع اور علو یعنی بلندی کے ہیں پس نبی وہ شخص ہے جس کو بارگاہِ خداوندی سے خاص طور پر بلندی حاصل ہو کہ بلا کسی تعلیم و تعلم اور بلا کسی کسب اور اکتساب کے خدا کی جانب ایسے علوم اور معارف عطا کئے گئے کہ جو عقل سے بالا اور برتر ہیں اور کسب اور اکتساب سے حاصل نہیں ہو سکتے اور پھر من جانب اللہ اس کو یہ حکم ہوا کہ وقتاً فوقتاً ہماری بارگاہ سے جو حکم اور جو خبر اور جو پیغام تم پر اُترے وہ بندوں تک پہنچا دو پس جو خدا تعالےٰ کے ان علوم اور احکام کو بندوں تک پہونچائے وہ نبی ہے اور اس عظیم الشان منصب اور بلند ترین مرتبہ کا نام نبوت اور رسالت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خداوند ذوالجلال کی سفارت اور خلافت سے بڑھ کر کوئی بلند اور برتر منصب نہیں ہو سکتا۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء۔ یہ وہ بلند منصب ہے کہ جس کے سامنے ہفت اقلیم کی بادشاہت بھی ہیچ ہے اسی وجہ سے تمام اہل اسلام کا اجماع ہے کہ نبوت محض عطیۂ خداوندی اور موہبت ربانی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے نبوت کی خلعت سے سرفراز فرماتا ہے۔

فلاسفہ کے نزدیک نبوت مجاہدہ اور ریاضت سے بھی حاصل ہو سکتی ہے انکے نزدیک امر کسبی ہے اور اہل اسلام کے نزدیک امر وھبی ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی لائق اور قابل کیوں نہ ہو، محض قابلیت سے خود بخود وزیر اور سفیر نہیں بن سکتا۔ جب تک بادشاہ کسی کو اپنے حکم سے وزیر اور سفیر مقرر نہ کرے منصب اور عہدہ کے لئے حکم سلطانی ضروری ہے محض قابلیت کافی نہیں۔

نبی اور رسول میں فرق

بعض علماء کا قول ہے کہ نبی اور رسول میں کوئی فرق نہیں۔ ان دونوں لفظوں کا اطلاق ایک

[1] شرح تحریر الاصول ج۳ و فیض القدیر للمناوی ج۵ و بیان القرآن ج۲ سورۂ مریم

ہی معنی میں ہوتا ہے محققین کے نزدیک نبی اور رسول میں فرق ہے اور یہی جمہور کا مسلک ہے کہ نبی عام ہے اور رسول خاص ہے جس شخص پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہو اور ہدایت خلق اور تبلیغ احکام الٰہیہ پر مامور ہو وہ نبی ہے اور اگر اس کے علاوہ اُس کو من جانب اللہ کوئی خصوصی امتیاز حاصل ہو مثلاً اس کو کوئی نئی کتاب یا نئی شریعت دی گئی ہو یا شریعت تو جدید نہ ہو مگر جس قوم اور امت کی طرف بھیجے گئے ہوں وہ جدید ہو، جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کہ ان کی شریعت تو شریعت ابراہیمیہ تھی مگر اُن کی بعثت دوسری قوم کی طرف ہوئی تھی یعنی قوم جرہم کی طرف مبعوث ہوئے تھے یا مکذبین کے مقابلہ اور مقاتلہ کیلئے بھیجا گیا ہو وغیرہ وغیرہ تو اس کو نبی رسول یا رسول نبی کہتے ہیں۔
ہر نبی کو حق تعالیٰ نے وحی اور نزول ملائکہ سے سرفراز فرمایا۔ اور ہر نبی کو اتنے معجزات بھی عطا فرمائے جس سے اُن کی نبوت اور پیغمبری ثابت ہو جائے مگر بعض انبیاء کرام کو اس کے علاوہ کچھ خصوصی امتیاز بھی عطا ہوئے۔ مثلاً حضرت آدم کو حق تعالیٰ نے خود اپنے بے چون وچگون دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور اپنا خلیفہ بنایا۔ اور مسجود ملائکہ بنایا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلام سے سرفراز فرمایا۔ اور ابراہیم علیہ السلام کو اپنی خلت کا خلعت پہنایا وغیرہ وغیرہ پس حضرات انبیاء میں سے علاوہ وحی الٰہی اور معجزات کے جن کو بارگاہِ خداوندی سے کوئی خصوصی امتیاز حاصل ہوا وہ نبی رسول یا رسول نبی کہلاتے ہیں۔

انبیاءِ کرام کی ضرورت

بالفاظ دیگر

نبوّت کی ضرورت

آزاد منشوں کا ایک گروہ تو وہ ہے کہ جو اپنے کو خدا تعالیٰ ہی سے آزاد خیال کرتا ہے اور اپنے وجود کو مادہ اور اس کی حرکت قدیمہ کا مرہونِ منت سمجھتا ہے اور خدا ہی کا قائل نہیں، اور دوسرا گروہ وہ ہے کہ جو خدا تعالیٰ کی ہستی کا اقرار کرتا ہے اور کچھ آخرت کا بھی قائل

ہے۔ مگر یہ کہتا ہے کہ محض خدا کو ماننے سے انسان نجات پا سکتا ہے۔ انبیاء کرام اور اُنکی تعلیم کی ضرورت کو تسلیم نہیں کرتا۔ اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جن کو اپنی عقل پر گھمنڈ ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح ہم اپنی عقل سے جسمانیات اور مادیات کی تحقیق کر سکتے ہیں۔ اسیطرح ہم اپنی عقل سے روحانیات کی بھی تحقیق کر سکتے ہیں ہمیں کسی روحانی معلّم اور مربّی کی ضرورت نہیں یہ عقل کی پہلی ٹھوکر ہے کہ روحانیات میں اپنے کو معلّم اور مربّی سے مستغنی سمجھ لیا ہے حالانکہ وہ جسمانیات اور حیات میں بھی معلّم اور مربّی سے مستغنی نہیں۔ خوب سمجھ لو جو نسبت روح اور جسم میں ہے وہی نسبت معلم جسمانی اور معلم روحانی کی ضرورت میں ہے۔۔ اس نادان کو یہ خبر نہیں کہ جسم بغیر روح کے باقی نہیں رہ سکتا۔ فرق اتنا ہے کہ جسم نظر آتا ہے اور روح نظر نہیں آتی۔ یہ گروہ الہامی کتابوں کو تقویم پارینہ اور پرانی دستاویزیں سمجھتا ہے جو قابل دریا برد ہیں۔ حالانکہ گذشتہ فلاسفہ اور سائنس دانوں کی پرانی دستاویزوں کو غایت درجہ حفاظت سے رکھتا ہے۔ اُن کے متعلق کبھی یہ گمان نہیں کرتا کہ قدیم سائنس دانوں کی تحقیقات کے تمام دفتر دریا برد کر دیئے جائیں۔ اور اب ہمیں ان دستاویزوں کی ضرورت نہیں۔

کوئی شخص کتنی ہی بڑی استعداد اور قابلیت کا حامل بن جائے مگر اُس کو بغیر اسکے چارہ نہیں کہ وہ گذشتہ فلاسفہ اور سائنس دانوں کی فضیلت اور قابلیت کو تسلیم کرے! اور جس راہ سے انہوں نے اس میدان میں قدم رکھا ہے اسی راہ سے اس رہ پر چلے۔ بغیر ان کی رہنمائی اور اُن کے اصول کی پیروی کے کامیابی ممکن نہیں۔

حقیقت نسخ

اصول نہیں بدلتے تجربے بدلتے ہیں اور جنتری کے اصول بحالہ قائم ہیں لیکن تاریخیں ہر سال کی مختلف ہیں اور شریعت محمدیہ آخری شریعت ہونے کی وجہ سے دائمی جنتری کا حکم رکھتی ہے۔

شریعت اسلامیہ کو علم ہندسہ اور تحریر اقلیدس کی طرح سمجھو کہ حد کمال کو پہونچ چکا ہے اس میں غلطی نکالنا اپنی جہالت اور نادانی کا ڈنکا بجانا ہے۔ موجودہ سائنس نے جو تحریر اقلیدس میں ترقی کی ہے وہ اصولی ترقی نہیں بلکہ تجربی ترقی ہے! اقلیدس کے دعووں کو ثابت کرنے کیلئے اور ان کو حسی طور پر سمجھانے کیلئے پیمائش کے آلات ایجاد کر دیئے اس ترقی سے اصول علم میں کوئی ترقی نہیں ہوئی صرف

حسی تجربہ میں اضافہ ہوا۔ یا یوں کہو کہ عقل سے بوجھ ہلکا ہو گیا اور تمام بوجھ ظاہری حواس پر آپڑا مادیات کی ترقی ہے۔ مگر عقل کا تنزل ہو رہا ہے۔

یہود نسخ کو محال سمجھتے ہیں اور انہوں نے نسخ کے معنی یہ سمجھے ہیں کہ ایک حکم صادر کرنا اور بعد میں جب اس میں غلطی نظر آئی تو اس میں ترمیم کر دینی یا اُس کو بالکل اڑا کر اس کی جگہ کوئی دوسرا مناسب حکم رکھ دینا۔ خوب سمجھ لو کہ اس قسم کے نسخ کو ہم بھی محال کہتے ہیں مگر جس نسخ کے ہم قائل ہیں اس کے معنی فقط تبدیل حکم کے ہیں۔ یعنی ایک حکم صادر کیا جائے اور محکوم (یعنی جس کو حکم دیا گیا ہے) وہ اس حکم پر ایک مدت تک عمل کرتا رہے پھر حاکم کسی مصلحت سے بجائے اُسکے اُسکو دوسرا حکم دیدے تو یہ نسخ ہے حکم دینے والے کے علم میں تھا کہ یہ حکم چند روز کیلئے ہے۔ مگر محکوم کو اس کی خبر نہ تھی حکم دینے والے کے علم میں جو اس حکم کی میعاد اور مدت تھی جب وہ ختم ہو گئی اُس نے اُس کے بجائے دوسرا حکم صادر کر دیا اور یہ محال نہیں بلکہ اس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔

بادشاہوں کے احکام میں تغیر اور تبدل کا ہونا اور طبیبوں کے نسخوں میں تغیر و تبدل ہونا روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ یہود جو نسخ کے محال ہونے کے مدعی ہیں اُن کے پاس کوئی دلیل نسخ کے محال ہونے کی موجود نہیں صرف مذہب اسلام سے گریز اور پہلو تہی کیلئے یہ قاعدہ گھڑا ہے۔

بعثت انبیاء کی ضرورت

عقل یہ کہتی ہے کہ جس خدا نے ہمکو وجود عطا کیا اُسکی معرفت اور اطاعت اور اسکی رضا جوئی، اور اُسکا شکر ہم پر واجب ہے اور اُسکی صحیح معرفت اور طریقۂ اطاعت اور ادائے شکر کی صحیح کیفیت بدوں اسکے بتلائے اور واقف کرائے ممکن نہیں جس طرح ہمکو ایک مجازی بادشاہ کے احکام بدوں وزیر کے نہیں معلوم ہو سکتے تو شہنشاہ حقیقی کے احکام سے واقف ہونیکے لئے ایک واسطہ چاہیئے اُس واسطہ کا نام شریعت کی زبان میں نبی اور رسول ہے۔

نیز لوگوں کی عقلیں متفاوت بھی ہیں اور مختلف بھی، کوئی کسی چیز کو اچھا سمجھتا ہے اور کوئی برا۔ کوئی شخص بت پرستی کو عبادت اور ذریعۂ نجات سمجھتا ہے اور دوسرا اس کو کفر اور شرک اور عین ضلالت اور ہلاکت سمجھتا ہے حق تعالیٰ نے اس اختلاف کو رفع کرنے کیلئے حضرات انبیاء کو مبعوث فرمایا تاکہ تمام لوگ ایک صحیح مرکز پر جمع اور متفق ہو جائیں۔

اگر حضرات انبیاء مبعوث نہ ہوتے تو دنیا سے نیک و بد اور ایمان اور کفر اور عدل اور ظلم کی تمیز اٹھ جاتی۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایمان اور کفر کیا ہے۔ ان کا یہ قول ایسا ہی ہے، جیسا کہ کوئی یہ کہے کہ صدق اور کذب اور ظلم اور عدل میں کیا فرق ہے جسکی جیسے مصلحت ہو وہ کرلے۔ کسی ملک کے باشندے کتنے ہی تعلیم یافتہ اور عاقل اور دانا کیوں نہوں مگر حکومت ملک کو شخصی آراء اور ذاتی خیالات پر نہیں چھوڑ دیتی بلکہ ان کے لئے ایک دستور اور قانون مقرر کرتی ہے اور نہ کبھی کسی ملک کے باشندوں نے یہ احتجاج کیا کہ ہمیں کسی قانون اور دستور کی ضرورت نہیں ہمیں اللہ تعالیٰ نے عقل جیسی نعمت عطا کی ہے لہذا ہمیں کسی اور دستور اور قانون کی ضرورت نہیں۔

فسادِ عالم کا اصل سبب اغراض اور نفسانی خواہشیں ہیں

اور ان کی اصلاح حضرات انبیاء کرام اور ان کی شریعتوں سے ہوئی۔ ولو اتبع الحق اھواءھم لفسدت السموات والارض ولا تتبع آھواء الذین لا یعلمون۔ اسی وجہ سے انبیاء کا معصوم عن الھوی ہونا لازم ہوا اس لئے کہ خود غرض اور شہوت پرست کی اطاعت پر کوئی دل آمادہ نہیں آتا حتی کہ خود غرض بھی خود غرض کی اطاعت نہیں کرتا۔ اور بے غرض کی اطاعت پر خود غرض ہی آمادہ ہو جاتا ہے۔

(دلیل دوم)

رعایا کو بادشاہ اور اس کے دستور اور قانون کی اتنی حاجت نہیں جتنا کہ بندوں کو خالق کی اطاعت اور اس کے دستور اور قانون یعنی شریعت کی ضرورت ہے، بندہ بدون خدا کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور رعایا بدون بادشاہ اور حکومت کے زندہ رہ سکتی ہے۔ جیسے پانچ سو سال پہلے امریکہ زندہ رہتا تھا اور وہاں کوئی حکومت اور قانون نہ تھا۔ اور اسلام کا قانون امریکہ کے وجود اور ظہور سے سات سو سال پہلے موجود تھا اور دنیا میں رائج تھا اور یورپ نے اسلامی ہی فقہ کو سامنے رکھ کر قانون بنایا ہے جیسا کہ المقارنات التشریعیہ و تاریخ فلاسفۃ الاسلام میں اس پر مفصل بحث کی ہے! افسوس کہ اب ہمارے روشن خیال بھائی یہ پوچھتے ہیں کہ کیا اسلام میں کوئی دستور اور قانون موجود ہے اور اگر ہے تو آج کل اس قانون پر کیسے حکومت چل سکتی ہے۔ یہ ناچیز کہتا ہے کہ حکمرانی اور عدل عمرانی کا صحیح طریقہ وہ ہے جو اسلام نے بتایا

جس کا جی چاہے علماء اسلام سے مناظرہ کرلے اور اسلامی دستور اور امریکی دستور کے موازنہ پر کانفرنس بلائی جائے۔ خلاصہ کلام یہ کہ بندوں کو دینی اور دنیوی امور میں خدا تعالیٰ کی غایت درجہ احتیاج ہے۔ جس کے سامنے بادشاہ اور حکومت اور قانون اور دستور کی حاجت پاسنگ کی نسبت بھی نہیں رکھتی۔

وحی اور الہام

وحی کے معنی لغت میں اشارہ اور کلام خفی کے ہیں کہ جس میں ظاہری حواس کو دخل نہو، اور الہام کے معنی ہیں۔ دل میں کسی چیز کا ڈالنا اور القاء کرنا معنی لغوی کے لحاظ سے دونوں لفظ قریب قریب ہیں، اس معنی کو کائنات عالم میں سے کوئی مخلوق بھی ایسی نہیں، کہ جو وحی اور الہام کے فیض سے محروم ہو جمادات اور نباتات اور حیوانات اور انسانوں اور فرشتوں اور جنات سب کو اپنے خالق سے القاء اور الہام ہوتا ہے مگر فرق درجات اور مراتب کا ہے۔ ہر مخلوق کو اپنے مرتبہ کے مطابق بارگاہِ خداوندی سے القا ہوتا ہے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ ونفس وما سواها فالهمها فجورها وتقواها واعطیٰ کل شئ خلقه فهدیٰ و اوحی فی کل سماء امرها ؎ ہست تعلق نیست مخلوقے ازو

اتصالے بے تکیف بے قیاس ! همت رب الناس راباجان ناس

سب سے ربط آشنائی ہے تجھے دل میں ہر اک کے رسائی ہے تجھے

غرض یہ کہ ہر مخلوق کو دل میں اپنے خالق کے ساتھ تار برقی کا کوئی سلسلہ ضرور ہے۔

(۱) جمادات اور نباتات کو یہ الہام ہوتا ہے کہ اس جانب میں بڑھو فلسفی اور دھری کہتا ہے کہ یہ مادہ کی حرکت ہے۔ خدا پرست کہتا ہے کہ حرکت بدوں محرک کے ممکن نہیں۔

(۲) شہد کی مکھیوں کو الہام ہوتا ہے کہ فلاں فلاں درخت کے پھلو کا رس چوس کر آؤ تاکہ یہ شہد تیار ہو۔ واوحی ربك الی النحل ان اتخذی من الجبال - حیوانات کے الہام کی دلیل یہ ہے کہ وہ اُن نباتات کو خوب پہچانتے ہیں جو اُنکے لئے مفید ہیں اور جو اُنکے لئے مضر ہیں۔ افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت

(۳) عام انسانوں میں الہام کا سلسلہ ہے (۱) آخر شیر خوار بچہ ماں کو اور اُسکے دودھ کو اور اسکے پستان اور اسکے چوسنے کی کیفیت کو کس طرح جانتا ہے یہ الہام ہی تو ہے قلوب میں دفعۃً کسی چیز کا آجانا یہ بھی تو الہام ہے۔ کسی معمولی شخص کے دل میں دفعۃً غیر معمولی بات کا آجانا یہ بھی الہام ہے۔

اور اصطلاح شریعت میں وحی اُس پیغام اور کلام کو کہتے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی پر القاء ہو، خواہ بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ کسی فرشتے کے ہو۔

ہمارا نفس ناطقہ۔ اعضاء جسمانی کو جو حکم دیتا ہے اعضاء اس کی تعمیل کرتے ہیں کیونکہ سب اس کے تصرف میں ہیں اور وہ سب پر حاکم ہے مگر ہم قصور ادراک کی وجہ سے نفس ناطقہ کے کلام اور اس کے احکام کی حقیقت نہیں سمجھتے مگر اجمالاً اتنا ضرور جانتے ہیں کہ نفس ناطقہ کو ان اعضاء کے ساتھ خاص تعلق ہے کہ جس کی بناء پر اُن کو حکم دیتا ہے کہ یہ کام کرو اور یہ کام نہ کرو۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ نفس ناطقہ اندرونی طور پر ان اعضاء سے ضرور کوئی کلام اور خطاب کرتا ہے جو حرف اور صوت (آواز) سے پاک ہے۔ پس جس طرح نفس ناطقہ۔ اپنے اعضاء پر تعلق خاص کی بناء پر حکم نافذ کرتا ہے اسی طرح کائناتِ عالم کو سمجھو کہ تمام کائنات حق تعالیٰ کے تصرف میں ہے جن پر اللہ تعالیٰ اندرونی طور پر حکم نافذ کرتا ہے کہ فلاں کام کرو اور فلاں کام نہ کرو۔ اور کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حکم سے سرتابی کر سکے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کے اسی اندرونی کلام اور پیغام کا نام وحی ہے جو درجۂ جنس میں تمام کائنات میں مشترک ہے مگر انواع و اقسام کے اعتبار سے اس کے درجات اور مراتب ہیں شہد کی مکھی اور مکڑی دونوں پر وحی آتی ہے مگر نوعیت مختلف ہے۔

درجۂ جنس میں فرشتوں پر بھی وحی آتی ہے اور شیاطین اور جنات کو بھی القاء ہوتا ہے مگر فرق زمین اور آسمان کا ہے۔ اسی طرح سمجھو کہ انبیاء پر وحی آتی ہے اور کاہنوں اور دجالوں پر بھی وحی آتی ہے مگر دونوں وحیوں میں فرق ہے۔

انبیاء پر جو وحی آتی ہے وہ اکثر و بیشتر فرشتوں کے واسطہ سے آتی ہے نزل بہ الروح الامین علی قلبك - اور کاہنوں اور دجالوں پر شیاطین وحی لے کر آتے ہیں۔ وان الشیاطین لیوحون الی اولیاءھم هل انبئکم علی من تنزل الشیاطین ۔ لفظ وحی مرتبہ جنس میں اگرچہ عام ہے انسان اور جن اور فرشتہ سب کو شامل ہے مگر اصطلاح میں وحی اسی کلام اور پیغام کو کہتے ہیں جو من جانب اللہ کسی برگزیدہ بندہ پر نازل ہو۔ جیسے لفظ کلام اگرچہ درجۂ جنس میں حیوانات کی بولی کو بھی شامل ہے مگر اصطلاح میں صرف انسان کے بول کو کلام کہتے ہیں۔ موجودہ سائنس نے حواس ظاہری کی امداد کیلئے کچھ آلات ایجاد کئے ہیں بڑی بڑی نفیس دوربینیں بنائی ہیں جس سے

دُور کی چیزیں نظر آجاتی ہیں جتنی کہ آسمان کے ستارے اور ان کی حرکات نظر آنے لگتی ہیں۔

اور خوردبین بنائی ہیں جن سے وہ باریک سے باریک چیزیں نظر آجاتی ہیں جو آنکھ سے دکھائی نہیں دیتی۔ اسی طرح شعاع بصری کے نفوذ کو قوت دینے کیلئے ایسے آلات ایجاد کئے ہیں جن کے استعمال سے شعاع بصری اجسام متجرہ سے پار ہو کر اُن کے پیچھے کی چیزیں بھی تبلا دیتی ہے یا سمندر کی تہ میں جو چیزیں ہیں وہ نظر آنے لگتی ہیں۔ قوتِ سامعہ کی امداد کیلئے آلات ایجاد کئے ہیں جن سے سننے میں مدد ملتی ہے۔

آوازوں کے محفوظ کرنے کیلئے آلات ایجاد ہو گئے ہیں وغیرہ وغیرہ یہ تمام ایجادات مادیات کے متعلق ہیں جو معدودے چند ہیں اور نہ معلوم آئندہ چل کر کس کس قسم کے آلات ایجاد ہونگے معلوم ہوا کہ ادراک اور علم کے ذرائع اور وسائل محدود اور معدود نہیں۔ پس جبکہ ادراک حسی کے وسائل محدود نہیں تو ادراک روحانی کے وسائل کو محدود قرار دینا کیسے صحیح ہوگا، اور اس سے بڑھ کر ناوانی یہ ہوگی۔ کہ ادراک روحانی کے وسائل انہی چیزوں کو قرار دیا جائے کہ جو ادراک حسی کے وسائل ہیں۔ اے میرے عزیز و جب ایک انسان ایسے آلات ایجاد کر سکتا ہے کہ جو انسان کے حواس ظاہری میں معین اور مددگار ہوں تو کیا خداوند ذوالجلال اپنے کسی برگزیدہ بندہ کو ایسے جسمانی یا روحانی قوائے ادراکیہ عطا نہیں کر سکتا کہ جن کے ذریعہ سے اُس برگزیدہ بندہ کو ایسی سماوی چیزیں دکھائی دیتی ہوں۔ کہ جو دوسروں کو نہ دکھائی دیتی ہوں اور اس کو وہ آوازیں سنائی دیتی ہوں جو دوسروں کو نہ سنائی دیتی ہوں۔

ثبوتِ نبوّت

حق جل شانہٗ نے جس کسی کو اپنی نبوت سے سرفراز فرمایا، ابتداء خلقت ہی سے اُسکے تمام حالات اُس کی عقل اور فہم اور اس کے اخلاق اور اطوار فطری طور پر نہایت محمود اور پسندیدہ ہوتے ہیں۔ جس سے وہ تمام انسانوں میں ممتاز نظر آتے ہیں اور دعوے نبوت کے بعد ان حضرات سے ایسے خارق عادت امور کا صدور اور ظہور ہوتا ہے کہ جو قوتِ بشریہ کی حدود سے خارج ہوتے ہیں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے آگ کا برداً وسلام

ہوجانا اور موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ بن جانا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پھیرنے سے مُردوں کا زندہ ہوجانا اور نابینا کا بینا ہوجانا، اور نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشت مبارک کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے ہوجانا وغیرہ وغیرہ اس قسم کے افعال جنکو معجزات کہتے ہیں، حضرات انبیاء کے دعوئے نبوت کی دلیل اور برہان ہوتے ہیں۔ اور اُن کی صداقت کے شاہد اور گواہ ہوتے ہیں۔ ایسے افعال کو دیکھ کر لوگ یقین کر لیتے ہیں کہ یہ حضرات خدا کے برگزیدہ اور فرستادہ ہیں جن کی تائید کیلئے من جانب اللہ ایسے قدرت کے کرشمے ظہور میں آرہے ہیں جن سے تمام عالم عاجز اور قاصر ہے۔ جھوٹے اور مکار کیلئے غیب سے اس قسم کے امور کا ظہور ممکن نہیں چونکہ ایک بشر دوسرے بشر کی اطاعت اور فرمانبرداری کیلئے آمادہ نہیں ہوتا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام کو معجزات قاہرہ دے کر بھیجا تاکہ اُن کو دیکھ کر لوگوں کی گردنیں خم ہوجائیں اور سمجھ جائیں کہ یہ معجزات، اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قہر کا نمونہ ہیں کسی کی طاقت اور مجال نہیں کہ اُن کا مقابلہ کر سکے۔ اس قسم کے خوارق کو قرآن کریم میں براہین اور آیات بینات کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور حضرات محدثین ان کو دلائل نبوت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور حضرات متکلمین ان کو معجزات سے تعبیر کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معجزات کی حقیقت

اوّل ہم معجزات کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔ پھر اس پر جو شبہات کئے گئے ہیں اُنکا جواب دیں گے۔ حق جل شانہ نے اس عالم کو عالم اسباب بنا دیا ہے ہر چیز کو کسی سبب کے بعد پیدا فرماتے ہیں۔ مگر گاہ بگاہ اپنے کسی پیغمبر کے ہاتھ پر کسی چیز کو بلا کسی سبب کے محض اپنی قدرت اور ارادہ سے پیدا فرماتے ہیں تاکہ بندوں کو اول خدا کی بے چون و چگون قدرت اور پھر اس پیغمبر کے ساتھ خدا کی خصوصیت معلوم ہو۔ تاکہ خدا کے اس مخصوص بندہ کے ذریعہ سے خدا

تک پہونچنے کی کوشش کریں۔

لفظ معجزہ اعجاز سے مشتق ہے جس کے معنی عاجز کر دینے کے ہیں یعنی جو فعل نبی کے ہاتھ پر ایسا ظاہر ہو کہ قدرت بشری اس کام کے کرنے سے عاجز ہو جس کے دیکھتے ہی لوگ سمجھ جائیں کہ یہ کام قدرت خداوندی کا کرشمہ ہے بشری اور انسانی قدرت سے کہیں بالا اور برتر ہے کیونکہ جو کام قدرت بشری سے خارج ہوگا لامحالہ وہ خدا تعالیٰ ہی کا کام ہوگا فعل خداوندی اور فعل انسانی میں امتیاز کرنے کا یہی طریقہ ہے معلوم ہوا کہ معجزہ کا ظہور اگرچہ نبی کے ہاتھ پر ہوتا ہے مگر وہ نبی کا فعل نہیں ہوتا بلکہ اللہ کا فعل ہوتا ہے اسی وجہ سے ارشاد ہے۔ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ (الآیۃ) اسی وجہ سے قرآن کریم نے جابجا معجزات کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے دریا کو پھاڑا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگ برد اور سلام بنی معلوم ہوا کہ معجزہ کسی سبب اور علت کا نتیجہ نہیں بلکہ براہِ راست قدرت خداوندی کا نتیجہ اور قادر مطلق کا فعل ہے کہ بلا کسی سبب کے ظہور پذیر ہوا ہے۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو حضرت عیسیٰ کا ذاتی فعل سمجھا اس لئے اُن کو خدا بنالیا۔

حضرت مسیح بن مریم کے معجزات اہل اسلام کے نزدیک خداوند ذو الجلال کے بمثال قدرت اور حضرت عیسیٰ کی نبوت و رسالت کے دلائل تھے نصاریٰ نے معجزات عیسوی کو دلائل الوہیت سمجھا اور غلط سمجھا اگر معجزہ کی صحیح حقیقت سے واقف ہوتے تو اس غلطی میں مبتلا نہ ہوتے۔

عیسائیت میں صرف کچھ اخلاقی امور کی تعلیم ہے اور وہ بھی ناتمام اور مذہب کی جو اصلی روح ہے یعنی حق تعالیٰ کی صحیح معرفت اور اس کی ذات و صفات کا صحیح علم وہ بالکل مفقود ہے۔

سحر اور معجزہ میں فرق

سحر اور شعبدہ اور مسمریزم ایک فن ہے جو سیکھنے اور سکھانے سے حاصل ہو سکتا ہے معجزہ کوئی فن نہیں اور نہ اس میں تعلیم و تعلم جاری ہو سکتی ہے حتیٰ کہ معجزہ میں نبی کا اختیار

بھی نہیں ہوتا اور بسا اوقات نبی کو پہلے اس کا علم ہی نہیں ہوتا جس طرح قلم بظاہر لکھتا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن فی الحقیقت لکھنا قلم کا فعل اختیاری نہیں بلکہ کاتب کا فعل ہے اسی طرح معجزہ درحقیقت فعل۔ اللہ کا ہے مگر اس کا ظہور نبی کے ہاتھ سے ہوتا ہے

نقش باشد پیش نقاش و قلم ، عاجز و بستہ چو کودک در شکم

نبی کے اختیار میں نہیں کہ جب چاہے اپنی انگلیوں سے چشمے جاری کر لے برخلاف فنون سحریہ وغیرہ کے کہ وہ جبوقت چاہیں قواعد مقررہ اور اعمال مخصوصہ کے ذریعہ سے اُس کے نتائج ظاہر کر سکتے ہیں مگر آج تک معجزہ کے متعلق نہ کوئی کتاب لکھی گئی اور نہ کوئی قاعدہ اور ضابطہ مقرر ہوا اور نہ معجزہ کی تعلیم کیلئے کوئی درس گاہ کھولی گئی۔ دیکھو، موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر آگ لینے کیلئے گئے یکایک پیغمبری ملی اور پھر اس کی تصدیق کیلئے عصاء اور ید بیضا کا معجزہ عطا فرمایا بحکم خداوندی جب عصاء کو زمین پر ڈالا سانپ بن گیا ڈر کر بھاگے اُن کے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ مجھ کو نبوت ملیگی اور اس کے ساتھ یہ معجزات عطا ہونگے۔ معلوم ہوا کہ عصاء اور ید بیضاء موسیٰؑ کا اختیاری فعل نہ تھا بلکہ فعل خداوندی تھا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا جب ساحرین فرعون سے مقابلہ ہوا اور انہوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں اور وہ چلتے ہوئے سانپ نظر آنے لگے تو موسیٰ علیہ السلام ڈرے۔ فوجس فی نفسہ خیفۃً موسیٰ۔ موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈرے، پس اگر موسیٰ علیہ السلام خود ساحر ہوتے تو ڈرنے کی کوئی وجہ نہ تھی اس لئے کہ انسان اپنے اختیاری فعل سے نہیں ڈرا کرتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام پر گھبراہٹ اور خوف کے آثار دیکھے تو سمجھ گئے کہ یہ شخص ہمارا ہم پیشہ نہیں اور جب موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے اُن کے سانپوں کو نگل لیا تو سمجھ گئے کہ یہ سحر نہیں بلکہ خدائی فعل اور کرشمۂ قدرت ہے جس کے سامنے سحر کی کوئی حقیقت نہیں اور بے اختیار سجدہ میں گر پڑے اور چلا اُٹھے کہ ہم بھی رب موسیٰ اور ہارون پر ایمان لاتے ہیں۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ معجزہ اُس خارق عادت امر کو کہتے ہیں کہ جو من جانب اللہ۔ بلا کسی سبب کے نبی کے

ہاتھ پر ظاہر ہو تاکہ نبی کی نبوت اور اس کی صداقت کی دلیل ہو اور لوگ اس کو دیکھ کر بالبداھت یہ سمجھ جائیں کہ یہ بندہ کا فعل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے دشمنوں کو عاجز اور مغلوب کرنے کیلئے اس خارق عادت امر کو اپنے نبی کے ہاتھ پر ظاہر فرمایا ہے، تاکہ اس نبی کا مؤید من اللہ ہونا سب پر واضح ہو جائے (فرق دیگر) نیز ساحر کا سحر جنات اور شیاطین کے تحت القدرت امور سے بالا اور بلند نہیں ہوتا۔ اور انبیاء کرام کے معجزات جنات اور شیاطین کی قدرت سے کہیں بالا اور برتر ہوتے ہیں۔ نیز سحر آخرت میں کوئی نفع نہیں پہونچاتا ولقد علموا لمن اشتراہ ماله فی الاخرۃ من خلاق بلکہ دنیا میں بھی فقط ظلم اور تواحش اور میاں بیوی کی تفریق میں کام دیتا ہے ۱۲ کتاب النبوات صنہ

حکائت

مشتمل بر بیان فرق درمیان سحر و معجزہ

فرعون کا جادوگروں کی تلاش کیلئے قاصد کا روانہ کرنا اور ان میں سے دو جادوگروں کا اپنے باپ کی قبر پر آنا اور باپ کی روح سے موسیٰ علیہ السلام کی حقیقت دریافت کرنا اور مردہ ساحر کا خواب میں اپنے بیٹوں کو جواب دینا۔ عارف رومی نے مثنوی کے دفتر سوم میں ایک عجیب حکایت لکھی ہے جس سے سحر اور معجزہ کا فرق واضح ہوتا ہے۔ ہم اس حکایت کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

. . . . . .

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کیلئے تمام جادوگروں کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ دو نوجوان جادوگری میں بہت مشہور تھے۔ اُن کے پاس بادشاہ کا قاصد یہ پیغام لے کر پہنچا کہ بادشاہ کی مصیبت دفع کرنے کی کوئی تدبیر کرو۔ اس لئے کہ دو فقیر (موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام) آئے ہوئے ہیں اور انہوں نے بادشاہ اور اُس کے قلعہ پر حملہ کیا ہے اور اُن دو فقیروں کے پاس

سوائے ایک عصاء (لاٹھی) کے کچھ نہیں اور وہ عصاء نہایت عجیب و غریب ہے جو اُن کے حکم سے اژدھا بن جاتی ہے۔ ان دو شخصوں سے بادشاہ اور اس کا لشکر عاجز آ گیا ہے۔ قاصد نے یہ پیغام پہونچایا اور یہ کہا کہ بادشاہ نے یہ کہا ہے کہ اگر تم اس مصیبت کے دفع کرنے کی کوئی تدبیر کرو تو تم کو اس کے صلہ میں بہت انعام ملے گا۔

یہ دونوں جادوگر اس پیغام کو سُن کر اپنے گھر آئے اور اپنی ماں سے کہا کہ ہمیں ہمارے بابا کی قبر بتاؤ تاکہ ہم اُس کی روح سے کچھ ضروری امور دریافت کریں۔ ماں اُن کو باپ کی قبر پر لے گئی۔ وہاں جاکر دونوں نے فرعون کے نام کے تین روزے رکھے تین روزے رکھنے کے بعد باپ سے کہا۔ اے بابا۔ بادشاہ نے ہمارے پاس یہ پیغام بھیجا ہے کہ ان دو درویشوں نے مجھ کو پریشان کر رکھا ہے اور سارے لشکر کے سامنے مجھ کو بے آبرو کر دیا ہے اور عجیب درویش ہیں نہ اُنکے پاس کوئی ہتھیار ہے اور نہ فوج۔ بجز عصاء کے اور کچھ نہیں اور سارا شور و شر اُسی لاٹھی میں ہے۔ اے بابا آپ سچوں کے ملک میں گئے ہیں اگرچہ بظاہر مٹی میں سوتے ہیں آپ ہم کو ان درویشوں کی حقیقت سے آگاہ فرمائیں اگر اُنکا یہ عصاء کوئی جادو ہے تو یہ بتلا دیجئے اور کوئی خدائی قوت اور کرشمۂ ایزدی ہے، تو وہ بتلائیے تاکہ ہم بھی اُسی خدا کے مطیع ہو جائیں اور کیمیا سے مثل کیمیا ہو جائیں ہم اسوقت ناامیدی کیحالت میں ہیں شاید کوئی امید نظر آ جائے اور ضلالت کی شبِ تاریک میں ہیں شاید کوئی آفتاب ہدایت طلوع کر آئے اور ہم ہدایت پر آ جائیں اور اللہ تعالیٰ کا کرم ہم کو اپنی طرف کھینچ لے۔ غرض یہ کہ ہم کو اس حقیقت سے آگاہ فرمائیے۔

مُردہ ساحر کا اپنے بیٹوں کو جواب

اُس مُردہ ساحر نے خواب میں کہا۔ اے میرے بیٹو میں اس کام کی حقیقت سے بخوبی واقف ہوں مگر مجھ کو صاف کہنے کی اجازت نہیں لیکن تم کو ایک علامت بتلاتا ہوں جس سے یہ راز تم پر آشکارا ہو جائے وہ یہ کہ تم دونوں جاؤ اور یہ معلوم کرو کہ یہ درویش کہاں سوتے ہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام کو سوتا ہوا پاؤ تو اس کی کوشش کرنا کہ کسی طرح اُن کے عصاء (لاٹھی) کو چُرا لو اور

دیکھو ڈرنا نہیں ورنہ راز منکشف نہوگا پس اگر تم اُس کے عصاء کے چرانے میں کامیاب ہوگئے تو سمجھ لینا کہ موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھی دونوں جادوگر ہیں اور سحر اور جادو کا رد اور توڑ تمہارے لئے کوئی مشکل نہیں کیونکہ تم سحر میں کامل اور ماہر ہو۔ اور اگر تم اُس عصاء کو چرا نہ سکے تو خوب سمجھ لینا کہ وہ کوئی خدائی قوت اور غیبی کرشمہ ہے اور یقین کر لینا کہ وہ دونوں جادوگر نہیں بلکہ خدا کے فرستادہ اور ہدایت یافتہ ہیں کوئی اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ فرعون اگر مشرق و مغرب پر بھی قبضہ کرے تب بھی خدا سے نہیں لڑ سکتا۔ اے بیٹو! دیکھو تو سہی جب جادوگر سو جاتا ہے تو اس کے جادو کا کوئی رہبر نہیں رہتا لہذا وہ سحر معطل اور بیکار ہو جاتا ہے جیسا کہ چرواہا جب سو جاتا ہے تو بھیڑیا نڈر ہو جاتا ہے اس لئے کہ سونے سے اُس کی تدبیر رُک جاتی ہے بخلاف اُس شئے کے جس کا محافظ اور نگہبان خدا تعالیٰ ہو وہاں بھیڑیئے کی رسائی ممکن نہیں، اس لئے کہ حق تعالیٰ پر غفلت طاری نہیں ہو سکتی پس اگر تم اُن کے عصاء کو نہ چرا سکے تو سمجھ لینا کہ یہ خدائی طلسم ہے جس کا کوئی توڑ نہیں اور یقین کر لینا کہ وہ سچے نبی ہیں اور یہ اُن کی نبوت کی قطعی نشانی ہے اور ایسی قطعی ہے کہ سونا تو درکنار اگر اُن کی وفات بھی ہو جائے تب بھی اللہ تعالیٰ اُن کو بلند ہی فرمائیں گے۔ اور کبھی بھی مغلوب نہ ہونگے۔ بیٹا جاؤ یہ سچی نشانی ہے جو میں نے تمکو بتائی ہے تم اسے دل پر نقش کر لو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دونوں بیٹے باپ کا یہ حکم سُن کر موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں گئے معلوم ہوا کہ وہ دونوں ایک درخت کے نیچے سو رہے ہیں اور عصا قریب رکھا ہوا ہے، ان دونوں نے موقعہ غنیمت جانا اور عصاء چرانے کیلئے آگے بڑھے، یکایک عصاء نے حرکت کی اور اژدہا بن کر ان پر حملہ آور ہوا یہ دیکھ کر دونوں بھاگ گئے۔

مولانا بحر العلوم شرح مثنوی میں فرماتے ہیں کہ مولانائے روم نے ان اشعار میں سحر اور معجزہ کے فرق کو واضح فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ سحر۔ ساحر کی غفلت کی حالت میں باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ سحر ساحر کا فعل ہے اور اس کی توجہ اور ہمت پر موقوف ہے۔ جب ساحر اپنے سحر سے غافل ہوا تو سحر بھی ختم ہوا بخلاف معجزہ کے کہ وہ اللہ کا فعل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت سے بلا کسی سبب کے نبی کے ہاتھ پر پیدا کیا ہے تاکہ اس کی صداقت

ظاہر ہو اور خدا کی پیدا کی ہوئی چیز ختم نہیں ہوتی جب تک کہ ارادۂ الٰہی اس کو باقی رکھنا چاہے وہ باقی رہتی ہے۔ رسول کی غفلت کو معجزہ کے بقاء اور عدم بقاء میں کوئی دخل نہیں۔ اور نہ معجزہ کے ظہور اور صدور میں نبی کی ہمت اور توجہ کو کوئی دخل ہے یعنی یہ بات نہیں کہ جب نبی اور رسول خارق عادت امر کیلئے ہمت یا توجہ کو صرف کرے تو معجزہ ظاہر ہو ورنہ نہیں اس لئے کہ معجزہ اس امر خارق للعادت کو کہتے ہیں کہ جس سے طاقت بشریہ عاجز ہو پس اگر معجزہ کے ظہور اور صدور میں ہمت اور توجہ کو دخل ہوتا تو طاقت بشری اُس سے عاجز نہ ہوتی۔ معجزہ تو محض اللہ کا فعل ہوتا ہے رسول کو کبھی اُس کا علم ہوتا ہے اور کبھی نہیں اگر عصاء کا سانپ بن جانا موسیٰ علیہ السلام کی صرف ہمت اور توجہ سے ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام اس سے ڈرتے ہی کیوں معجزہ اگرچہ بعض مرتبہ نبی کے دعاء اور اشارہ سے ظاہر ہوتا ہے جیسے شق قمر کا معجزہ کہ حضور کی انگشت مبارک کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے مگر حضور کو چاند کے دو ٹکڑے کرنے کا کوئی طریقہ معلوم نہ تھا آپ کو یہ قدرت نہ تھی کہ جس وقت چاہیں چاند کے دو ٹکڑے کر لیں۔ قرآن کریم آپ کا معجزہ ہے مگر قرآن کا اعجاز حضور کا فعل اختیاری نہیں کہ آپ کے کسی تصرف اور ہمت کو اس میں دخل ہو۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ سحر ساحر کی غفلت کی حالت میں باقی نہیں رہتا اس لئے کہ وہ اس کی ہمت اور توجہ پر موقوف ہے۔ اور جو چیز مخلوق کی ہمت اور توجہ سے ظہور میں آئے گی۔ اس کے لئے یہ شرط ہے کہ صاحب ہمت اس چیز سے غافل نہ ہو ورنہ وہ چیز نیست اور معدوم ہو جائے گی اور معجزہ کے باقی رہنے کیلئے صاحب معجزہ کی عدم غفلت شرط نہیں اس لئے کہ معجزہ اللہ کا فعل ہے نبی کی ہمت اور توجہ سے اس کا ظہور نہیں ہوتا۔ پس معجزہ اس امر الٰہی کو کہتے ہیں کہ جو اللہ تعالےٰ نبی کے ہاتھ پر بغیر نبی کے کسی تصرف اور توجہ کے پیدا فرما دیں۔ خواہ اس امر کا پیدا ہونا نبی کی دعاء کے بعد ہو یا بلا دعاء کے بہر حال معجزہ محض اللہ تعالےٰ کا فعل ہوتا ہے نبی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ دریائے نیل پر عصاء مارنے سے کس طرح سے اس میں راستے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام

نے عصاء کو دریا پر مارا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے دریا میں راستے پیدا کر دیئے اور موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر گذر گئے مگر اُن کو یہ علم نہیں تھا کہ کس طرح عصاء مارنے سے دریا میں بارہ سڑکیں بن گئیں۔ قرآن کریم کی بے شمار آیات اس امر کی شاہد ہیں کہ معجزات انبیاء کی قدرت سے بالا اور برتر ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ محض اپنی قدرت سے معجزات کو پیدا فرماتا ہے تاکہ اس سے رسول کی رسالت اور صداقت ثابت ہو۔

ارہاص

اور جو خارق عادت نبی سے قبل نبوت ظاہر ہو اس کو ارہاص کہتے ہیں۔ ارہاص کے معنی بنیادی پتھر کے ہیں گویا کہ اس قسم کے خوارق آئندہ نبوت کی تمہید اور دیباچہ ہیں (اور سحر، اُس خارق عادت کو کہتے ہیں کہ جو اسباب خفیہ سے کسی خاص قاعدہ اور ضابطہ کے تحت وقت مقررہ پر ظہور میں آئے۔

کرامت اور استدراج کی تعریف

کرامت اُس خارق عادت کو کہتے ہیں کہ جو نبی برحق کے متابعت کی برکت سے ظاہر ہو اور استدراج وہ خارق عادت ہے کہ جو اتباع شیطانی اور کفر و شرک اور فسق و فجور اور نفسانی اور شہوانی چیزوں میں انہماک سے ظہور میں آئے جیسے دجال کے خوارق اور کاہنوں کے خوارق۔

کرامت اور استدراج کا فرق

کرامت اور استدراج کا فرق ایسا ہے جیسا کہ ولد الحلال (نجیب الطرفین) اور ولد الزنا کا فرق ہے جو صورت میں دونوں بچے مشابہ ہیں مگر ثمرات اور اعمال میں مختلف ہیں۔ صحیح الدماغ پہچان لیتا ہے کہ کونسا آئینہ گلاب سے صاف کیا گیا ہے اور کونسا آئینہ پیشاب سے

مرد حقانی کی پیشانی کا نور ، کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

فیضِ صحبت اور باطنی توجّہ

نفس ناطقہ بدن اور جسم میں منطبع اور مرکوز نہیں بلکہ قائم بالذات اور بدن سے بالکل مبائن ہے اور بدن کے ساتھ اُس کا تعلق تدبیر اور تصرف کا ہے پس جس طرح نفس ناطقہ اپنے بدن میں تاثیر کرتا ہے کر تو کیا عجیب ہے کہ لطافت اور نورانیت کے باعث دوسرے اجسام میں بھی تاثیر کرسکے کیونکہ جس بدن میں وہ ہمیشہ تاثیر کرتا ہے بالآخر وہ بھی اس سے مبائن ہے ہاں یہ ضروری ہے کہ یہ معمولی سے نفوس نہ ہونگے بلکہ خاص نورانیت اور روحانیت کے حامل ہونگے جیسا کہ سر لوہا۔ مقناطیس کی طرح جذب اور کشش کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ اور کسی کی قدرت میں یہ نہیں کہ مقناطیسی کشش کی کیفیت تبلاسکے اسی طرح ہر نفس دوسرے میں کوئی تاثیر نہیں کر سکتا۔ بلکہ جو نفس نورانی ہو اور طہارت و نزاہت میں ملائکہ کا ہمرنگ ہو وہ دوسرے میں اثر کرسکتا ہے

کرامت اور معجزہ میں فرق

نبی اور ولی کے خوارق میں فرق یہ ہے۔ کہ نبی کے خوارق کمًا اور کیفًا اعلیٰ اور برتر ہوتے ہیں جیسے صعود الی السماء اور احیاء موتیٰ وغیرہ وغیرہ اور ولی کے خوارق نبی کے خوارق سے کم درجہ اور کم رتبہ ہوتے ہیں مثلاً تھوڑی سی چیز کا بہت ہوجانا اور خواب اور الہام سے کچھ آئیندہ حالات کی خبر دیدینا اور علیٰ ہذا ولی کے تصرفات نبی کے تصرفات سے گھٹ کر ہوتے ہیں نبی کو ہر قسم کے خوارق دیئے جاتے ہیں چھوٹے بھی اور بڑے بھی جیسا کہ قرآن کریم میں ہے لقد رأی من اٰیاتِ ربہ الکبریٰ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو آیات اور نشانات انبیاء کرام کو عطا کئے جاتے ہیں وہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک آیات کبریٰ یعنی بڑی بڑی نشانیاں اور بڑے بڑے معجزات جیسے شق القمر اور عروج سموات اور سلام شجر اور حجر وغیرہ وغیرہ اور

دوسری قسم آیات صغریٰ ہیں یعنی چھوٹے چھوٹے نشانات مثلاً کھانے وغیرہ میں برکت کا ہونا۔
اولیاء اللہ کی کرامتیں معجزات کی قسم اوّل سے نہیں ہوتیں بلکہ معجزات کی قسم ثانی کی جنس سے ہوتی ہیں مگر باوجود اس جنس سے ہونے کی آیات صغریٰ سے رتبہ اور درجہ میں گھٹ کر ہوتی ہے۔ نبی کی دعاء سے جو برکت نمودار ہوتی ہے وہ وہم وگمان سے بالا اور برتر ہوتی ہے اور ولی کے ہاتھ سے جو خیر وبرکت ہوتی ہے وہ نبی کی برکت سے کمًّا اور کیفًا بہت کمتر اور فروتر ہوتی ہوتی ہے اگرچہ عام عادت سے بلند اور برتر ہو جس طرح اولیاء کا درجہ انبیاء کے بعد ہے اسی طرح اولیاء کی کرامتیں۔ انبیاء کرام کے معجزات سے کمتر اور فروتر ہوتی ہیں۔

نبی اور کاہن میں فرق

نبی پر اللہ کے فرشتے اترتے ہیں اور کاہنوں پر شیاطین اور جنات کا نزول ہوتا ہے۔ ھل انبئکم علی من تنزل الشیاطین الی آخر الآیات۔ حضرات انبیاء کے علوم میں غلطی نہیں ہوتی اور انبیاء کرام جو غیب کی خبریں دیتے ہیں وہ تمام حرف بحرف سچی ہوتی ہیں اور کاہنوں کے علوم بھی گڑبڑ ہوتے ہیں اور اُن کی خبریں جھوٹی بھی ہوتی ہیں اور سچی بھی، حدیث میں ہے کہ حضور پُرنور نے ابن صیاد سے (جو ایک کاہن تھا اور مدعی نبوت تھا) دریافت فرمایا کہ کیا تیرے پاس کچھ غیب کی خبریں آتی ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں میرے پاس سچی اور جھوٹی دونوں قسم کی خبریں آتی ہیں صادق بھی اور کاذب بھی آپ نے فرمایا تجھ پر حقیقت خلط ملط کر دی گئی ہے یعنی نبوت میں خلط وملط نہیں ہوتا، نبوت کا خاصہ صدق ہے۔ اس میں دروغ اور خلاف واقع امر کا ہونا، ناممکن اور محال ہے اور ظاہر ہے کہ جہاں صدق اور کذب دونوں خلط وملط ہو وہ شئی کسی طرح قابل وثوق اور قابل اطمینان نہیں ایسی جگہ نہ کسی قول کا اعتبار ہے اور نہ کسی فعل کا بلکہ کاہن کو خود اپنے احکام پر وثوق اور اعتماد نہیں ہوتا اور اسی وجہ سے کاہن خود اپنے دل میں مذبذب اور متزلزل ہوتا ہے اس لئے صاف اور واضح بات نہیں کہتا اس لئے کہ اگر صاف حکم لگایا اور غلط نکلا تو عوام میں میری وقعت جاتی رہے گی۔ کاہن اکثر وبیشتر محتمل اور مجمل بات کرتا ہے کہ جس میں

دونوں پہلو نکلتے رہیں۔ نیز بعض اوقات کاہن لوگ اپنے ظن اور تخمین سے کچھ دریافت کرتے ہیں اور لوگوں کو دھوکہ دینے کیلئے غیب کی باتیں بتانے لگتے ہیں اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے مسجع کلام سے مدد لیتے ہیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اسی کے بارہ میں ارشاد فرمایا۔ ھٰذا من سجع الکھان ۔ یہ کاہنوں کا سا سجع ہے حضور پُرنور کے زمانہ میں جو کاہن حرص و طمع میں گرفتار تھے وہ حضور پر ایمان نہیں لائے ۔ جیسے مسیلمہ کذاب اور ابن صیاد بلکہ خود مدعی نبوت بن بیٹھے ۔

اور جن کے دل ہوا و ہوس سے خالی تھے وہ حضور کو دیکھ کر دل و جان سے ایمان لے آئے جیسے طلیحہ اسدی اور سواد بن قارب جن کے واقعات مشہور ہیں۔ اسلام لانے کے بعد انہوں نے وہ کارہائے نمایاں کئے جو ان کے حسن اسلام کے سچے گواہ ہیں

نبی اور متنبی میں فرق

نبی اور متنبی میں فرق یہ ہے کہ متنبی۔ نبی کی ضد ہوتا ہے کیونکہ متنبی دعوئے نبوت کے ذریعہ دنیاوی لذتیں اور خواہشیں حاصل کرنا چاہتا ہے اور حضرات انبیاء کرام کا مطمح نظر اور مقصود اصلی۔ دنیاوی لذتوں اور خواہشوں کو چھوڑنا اور چھڑانا ہے ۔

متنبی اپنے ظاہری قول اور فعل سے نبی کی نقل اتارتا ہے اہل عقل تو پہلی ہی نظر میں اصل اور نقل کا فرق سمجھ جاتے ہیں اور عوام پر چند روز میں اسکی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے ۔

متنبی لیل و نہار۔ لذات و شہوات کے ارد گرد چکر لگاتا ہے اور ہر وقت اُن کے حصول کی فکر میں رہتا ہے ۔ اور عوام کو دھوکہ دینے کیلئے انبیاء کرام کی وحی کی نقل اتارتا ہے اور انہیں کلمات میں کچھ اپنی طرف سے الفاظ بڑھا کر لوگوں کو سناتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ پر یہ وحی نازل ہوئی حالانکہ حضرات انبیاء پر نزول وحی کے وقت جو ایک خاص کیفیت . . . . اور خاص دہشت طاری ہوتی جس کی وجہ سے ہر دیکھنے والا بآسانی یہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ بیخودی کی کیفیت ہے اس میں نبی کے ارادہ اور اختیار کو دخل نہیں،

اور متنبی پر نہ کوئی کیفیت طاری ہوتی ہے اور نہ کوئی دہشت جس کو وہ وحی بتلاتا ہے وہ اس کا خانہ ساز کلام ہوتا ہے جس کا اکثر حصہ انبیاء اور حکماء کے کلام سے مسروق (چرایا ہوا) ہوتا ہے۔ اور متنبی ظاہر میں زاہد بنتا ہے۔ لیکن دل میں دنیاوی مال وجاہ کے فکر میں رہتا ہے اور اس کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے لیکن باوجود اخفاء کے کسی نہ کسی طرح طلب دنیا کی جھلک اس کی حرکات و سکنات سے مخلوق کو نظر آہی جاتی ہے اور بالآخر اُس کا پردہ فاش ہوجاتا ہے اور تھوڑے ہی دنوں میں لوگوں کی نظر میں رسوا اور حقیر ہوجاتا ہے۔ نیز متنبی سے جب مسائل غامضہ کے متعلق سوال کیا جاتا ہے تو اس کے جواب میں اُس کو ایک قسم کی جھجک ہوتی ہے اور چونکہ اُس کا جواب بغیر القاء ربانی کے ہوتا ہے اس لئے بسا اوقات اُس کے کلام میں اضطراب ہوتا ہے اور اُس کے جوابات میں اختلاف اور تناقض بھی پایا جاتا ہے۔ اہل نظر اسی تناقض اور اختلاف سے سمجھ لیتے ہیں کہ یہ من جانب اللہ نہیں اور بعض مرتبہ متنبی قصداً مختلف جواب دیتا ہے تاکہ جس وقت جیسی مصلحت ہو اسی جواب کو اختیار کرلیا جائے اور متنبی ابتداء دعوائے نبوت میں چالاکیوں اور ترکیبوں سے کام لیتا ہے تاکہ معمولی عقل و دماغ کے لوگ اُس کی طرف متوجہ ہوجائیں اور اُس کے فریب میں آجائیں مثلاً یہ کہ ظاہر میں خاموشی اور متانت زہد اور عبادت اختیار کرتا ہے اپنے اوپر کم خرچ کرتا ہے اور دوسروں پر سخاوت کرتا ہے اور قرائن اور احوال کو دیکھ کر گول مول پیشین گوئیاں کرتا ہے کہ اگر پیشین گوئی پوری نہ ہو تو اس میں تاویل کی گنجائش رہے وغیرہ وغیرہ

ظہور خوارق کی حکمت

خوارق عادات میں بڑی مصلحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو عالم اسباب بنایا ہے ہر کام کو ایک خاص سبب کے ساتھ مربوط اور متعلق کیا ہے۔ اس وجہ سے ظاہر بینوں کی نظر اس اسباب ہی میں محدود اور محصور رہتی ہے۔ یہاں تک کہ دھریہ نے تو خدا کے وجود ہی کا انکار کردیا اور یہ کہہ دیا کہ وما یھلکنا الا الدھر۔ کہ یہ سارا کام زمانہ ہی سے چل رہا ہے اور جو کچھ بھی ہورہا ہے وہ سب مادہ اور اس کی حرکات کا ثمرہ اور نتیجہ ہے اس لئے حق تعالیٰ گاہ بگاہ خارق عادت

امور ظاہر فرماتا ہے تاکہ ان دہریین اور مادیین کو معلوم ہو جائے کہ کائنات کی باگ کسی اور ذات کے ہاتھ میں ہے وہ ذات جب چاہے ان سب کو معزول اور معطل کر دیتی ہے اور تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اسباب مستقل حاکم نہیں بلکہ سب خدا کے مقرر کئے ہوئے ہیں جسکو چاہے موقوف اور معطل کرے۔ دوسری مصلحت یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام کے ساتھ حق تعالیٰ شانہٗ کی خصوصیت اور اور خاص عنایت لوگوں کو معلوم ہو جائے تاکہ اُن کی اطاعت کریں اور اُن کے ذریعہ سے خدا تک پہونچیں۔

جیسے تخت اور تاج اور شاہی تمغوں سے بادشاہت اور بادشاہوں کا تعلق اور اختصاص معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح معجزات سے حضرات انبیاء کا حق تعالیٰ سے قرب خاص معلوم ہوتا ہے شیخ بوعلی سینا نے اشارات کے نمط تاسع میں لکھا ہے:-

والنبی متمیز باستحقاق الطاعۃ لاختصاصہ بالآیات تدل علی انہا من عند ربہ —

نبی تمام عالم میں مستحق اطاعت ہونیکے لحاظ سے اس لئے ممتاز ہوتا ہے کہ اس کو جو نشانات اور معجزات دیئے جاتے ہیں وہ بالبداہت اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ نشانات اللہ کیطرف سے ہیں۔

منکرین معجزات کے شکوک اور شبہات

جن لوگوں کی نظر فقط طبیعات اور تجربیات اور مشاہدات تک محدود ہے وہ معجزات اور خوارق عادات کے منکر ہیں (۱) اور یہ کہتے ہیں کہ معجزات خلاف عقل اور محال ہیں اس لئے کہ کسی شئی کا بلا سبب کے پایا جانا ناممکن اور محال ہے۔ یہ عالم عالم اسباب ہے کوئی شئی بلا سبب کے موجود نہیں ہو سکتی۔

(۲) اور کبھی یہ کہتے ہیں۔

کہ معجزات اور کرامات۔ قوانین فطرت اور آئین قدرت کے خلاف ہیں۔

(۳) اور کبھی یہ کہتے ہیں۔

کہ خوارق کو ماننا وہم پرستی ہے اور خوارق اور معجزات کے ماننے والے سادہ لوح اور وہم پرست ہیں۔ (۴) اور کبھی یہ کہتے ہیں۔

کہ خوارق کے ماننے سے نظام عالم کا مختل ہونا لازم آتا ہے اس لیئے کہ خوارق کے ماننے سے اسباب و وسائل سے وثوق اور اطمینان اُٹھ جاتا ہے۔

(۵) اور کبھی یہ کہتے ہیں۔

کہ خوارق کا اعتقاد ترقی کی راہ میں مزاحم ہے۔

جوابات

پہلی بات کا جواب

منکرین معجزات کا سب سے بڑا شبہ یہ ہے کہ کسی شئی کا بلا سبب کے پایا جانا محال ہے، یہ محض ایک دعوے ہے۔ جس پر کوئی دلیل نہیں۔ محال وہ ہے کہ جس کے نہ ہو سکنے پر کوئی قطعی اور عقلی دلیل موجود ہو۔ اور کسی شئی کے بلا سبب کے پیدا نہ ہو سکنے پر آج تک کوئی دلیل عقلی قائم نہیں کر سکا۔ جو لوگ اس بات کے مدعی ہیں کہ کسی شئی کا بلا سبب کے پیدا ہونا محال ہے ہم اُن سے سوال کرتے ہیں کہ اگرچہ مسببات۔ اسباب کے واسطہ سے پیدا ہوئے۔ لیکن یہ بتلائیں کہ خود اسباب بذاتِ خود اسباب کے واسطہ سے پیدا ہوتے ہیں یا بلا واسطہ اسباب کے پیدا ہوتے ہیں اگر اسباب کیلئے اسباب درکار ہوں تو تسلسل لازم آئے۔ یعنی ایک غیر متناہی سلسلہ کا ماننا لازم آئے جو تمام عقلا کے نزدیک محال ہے۔ لامحالہ سلسلۂ اسباب ضرور کسی ایسے سبب پر ختم ہوگا جو بلا کسی سبب کے موجود ہوا ہوگا اور اس پہلے سبب کو جس پر تمام اسباب کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ سبب اولی کہا جاتا ہے جو سلسلۂ اسباب کا سرا ہے اور بلا کسی سبب کے وجود پذیر ہوا ہے

پس جو قادر مطلق پہلی چیز کو بلا سبب کے بنانے پر قادر ہے۔ وہ دوسری اور تیسری چیز کے بھی بلا سبب بنانے پر بھی قادر ہے اُس کی قدرت اول و آخر کے اعتبار سے یکساں ہے۔

مثال کے طور پر سمجھئے کہ روٹی آٹے سے بنی اور آٹا گیہوں سے اور گیہوں کھیت سے یہ سلسلہ اسباب کھیت پر جاکر ختم ہوگیا اب اگر سوال کیا جائے کہ کھیت کہاں سے بنا۔ تو سوائے اس کے کوئی جواب نہیں کہ کھیت گیہوں سے پیدا ہوا لیکن جب گیہوں کھیت سے پیدا ہوا اور کھیت گیہوں سے پیدا ہوا تو دور لازم آیا یہ تمام عقلا کے نزدیک محال ہے۔ لامحالہ یہ کہنا پڑے گا کہ پہلی مرتبہ جو گیہوں۔ کھیت پیدا ہوا وہ بلا واسطہ سبب کے پیدا ہوا یعنی پہلا گیہوں بلا کھیت کے پیدا ہوا یا پہلا کھیت بلا گیہوں پیدا ہوا پس جبکہ سلسلۂ اسباب میں سے ایک فرد میں بلا سبب پیدا ہونے کا امکان ثابت ہوگیا۔ تو ہر فرد میں بھی یہ امکان ثابت ہو جائے گا اس لئے کہ قدرت خداوندی کے اعتبار سے تمام افراد برابر ہیں قادر مطلق نے ایک فرد کو بلا سبب کے بنا کر دکھلا دیا تاکہ تم یہ سمجھ جاؤ کہ وہ قادر مطلق جس فرد کو بھی چاہے اسی طرح بلا سبب کے بنا سکتا ہے۔

دوسری مثال

انسان۔ نطفہ سے پیدا ہوتا ہے اور نطفہ انسان سے۔ معلوم ہوا کہ پہلا انسان یا پہلا نطفہ بلا کسی سبب کے پیدا ہوا ہے اسی وجہ سے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وبدأ خلق الانسان من طین — حق تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع فرمایا

یعنی سب سے پہلا انسان نطفہ سے نہیں بنا بلکہ مٹی سے، محض اس کی قدرت سے بنا ہے اس کے بعد سلسلۂ نسل نطفہ سے قائم کر دیا اور سلسلۂ اسباب جاری فرما دیا۔ پھر اپنی قدرت کاملہ کی یاد دھانی کیلئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرما دیا۔ جب لوگوں نے اس پر شبہ کیا کہ بغیر باپ کے کیسے پیدا ہوئے تو اس پر اپنی قدیم صنعت اور پہلی کاریگری یاد دلائی۔ ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب۔ — عیسیٰ علیہ السلام کی حالت آدم علیہ السلام جیسی ہے انکو محض مٹی سے پیدا کیا گیا۔

یعنی تم کو حضرت عیسیٰ کے بلا باپ کے پیدا ہونے پر تعجب کیوں ہے ہماری قدرت اور صنعت پہلے سے تم کو معلوم ہے کہ ہم نے آدم علیہ السلام کو بلا باپ اور بلا ماں کے پیدا کیا تھا، کیا ہماری اس صنعت کو بھول گئے اس لئے ہم نے اپنی گذشتہ صنعت کی یاد دھانی کے لئے حضرت عیسیٰ کو فقط بلا باپ کے صرف ماں سے پیدا کیا یعنی آدھی صنعت دکھلائی۔ پوری

صنعت کے اقرار کے بعد آدھی صنعت کا کیوں انکار کرتے ہو۔ اور اس سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے رفع نزول کا مسئلہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے کہ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کا جسم خاکی کیساتھ آسمان سے ہبوط (اترنا) ممکن ہے اسیطرح حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نزول اور اس کا عکس رفع الی السماء بھی ممکن ہے اس لئے کہ عروج و نزول کا راستہ اور مسافت سب ایک ہی ہے۔

اسباب و علل کی تاثیر کی حقیقت

فلاسفہ نے اپنے محدود اور ناقص اور ناتمام تجربہ کی بناء پر یہ دعوی کر دیا کہ کسی شئے کا بلا اسباب طبعیہ کے پایا جانا محال ہے۔

فلاسفہ کو اگر اسباب و علل کے تاثیر کی حقیقت اور اس کی کیفیت اور کمیت کی صحیح معرفت ہوتی، تو کبھی یہ دعویٰ نہ کرتے۔ اسباب مسببات کیلئے موجد نہیں۔ ایجاد اور اختراع اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ ایجاد اور اختراع جماد محض کا کام نہیں یہ کام تو صرف فعال لما یرید کا ہے۔

جس طرح اسباب و علل کا نفس وجود۔ عطیۂ خداوندی ہے اسی طرح اسباب و علل کی صفت تاثیر اور اُن کی تمام صفات اور کیفیات بھی اسی کا عطیہ ہیں۔ اسی کے ارادہ اور مشیت کے مطابق اثر کرتی ہیں جس طرح وہ اسباب کے وجود کے سلب پر قادر ہے اسی طرح وہ اسباب کی صفت تاثیر کے سلب پر بھی قادر ہے جس طرح ضرب اور قتل میں بجائے ضارب اور قاتل کے تیر اور تلوار کو مؤثر حقیقی سمجھنا بے عقلی ہے اسی طرح اسباب و علل کو مؤثر حقیقی سمجھ لینا بھی غلطی ہے۔ فاعل حقیقی دستِ قدرت ہے۔ اور یہ اسباب و وسائل اس کی قدرت ازلیہ کے روپوش ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اسباب کی تاثیر اور سببیت محض وعادی ہے حقیقی نہیں اس کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے۔

آنکھ اور کان دیکھنے اور سننے کا سبب ہیں مگر اسی کے بنائے ہوئے ہیں جتنا چاہتا ہے اتنا ہی دیکھتے اور سنتے ہیں۔

نیز کسی شئی کے متعلق یہ کہنا کہ یہ شئی فلاں شئی کیلئے سبب یا علت ہے اور وہ شئی معلول اور مسبب ہے۔ تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کسی دلیل عقلی اور برہان قطعی سے ثابت نہیں ہوتا۔ مثلاً یہ کہنا کہ فلاں دوا سے فلاں بیماری دور ہو جاتی ہے۔ اور آگ جلاتی ہے اور پانی غرق کرتا ہے یہ سب گذشتہ زمانے کے محدود تجربات کی بنا پر کہا جاتا ہے یہ امور کسی عقلی دلیل سے ثابت نہیں اور ظاہر ہے کہ تجربہ سے جو علم حاصل ہوگا وہ ظنی ہوگا قطعی اور یقینی نہ ہوگا اس لئے کہ اول تو تجربہ محدود ہے اور پھر یہ کہ تجربے بدلتے رہتے ہیں اور پھر یہ کہ تجربہ میں غلطی کا بھی امکان ہے پس ایک محدود اور ناقص تجربہ کی بنا پر یہ حکم لگا دینا کہ ہمارے اس تجربہ کے خلاف کسی چیز کا ظہور میں آنا محال ہے۔ سراسر خلاف عقل ہے۔ کیا ایک جزئی تجربہ کے بعد۔ کلی اور عمومی طور پر یہ حکم لگا دینا کہ اس کے خلاف ناممکن اور محال ہے۔ کیا یہ کھلی ہوئی نادانی نہیں اور ماضی کے چند تجربات کی بناء پر مستقبل کے متعلق یہ حکم لگا دینا کہ آیندہ میں گذشتہ کے خلاف کسی چیز کا ظہور پذیر ہونا ناممکن اور محال ہے کیا یہ سراسر جہالت نہیں۔

فائدہ در بیان فرق درمیان سبب و علت

سبب اور علت میں فرق یہ ہے کہ سبب۔ وجود مسبب۔ میں موثر اور دخیل ہوتا ہے مگر لزوم نہیں ہوتا۔ کہ سبب کے پائے جانے کے بعد مسبب ضرور ہی پایا جائے، برخلاف علت کے کہ اس کے پائے جانے کے بعد معلول کا وجود ضروری ہو جاتا ہے۔ مثلاً آگ جلانے کا سبب ہے مگر علت نہیں اسی وجہ سے کبھی آگ سے جلانے کا اثر ظاہر نہیں ہوتا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے کوئی صدمہ نہیں پہونچا پس معلوم ہوا کہ ہر فعل کی اصلی علت اور مؤثر حقیقی باری تعالےٰ کا ارادہ ہے لیکن حق تعالیٰ نے اس دار دنیا کو دار الاسباب بنایا ہے، اس لئے ہر فعل کا صدور کسی خاص سبب سے متعلق کر دیا ہے۔

فلسفیوں اور دھریوں نے سبب اور علت میں فرق نہ سمجھا اس لئے حضرت ابراہیم کے حق میں آگ کا بردو سلام ہونا سمجھ میں نہ آیا۔

اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ اصل جلانے والا حق تعالیٰ ہے اگر وہ چاہے تو بلا آگ کے بھی جلا سکتا ہے اُس نے اپنی قدرت سے آگ کو جلانے کا ایک سبب بنا دیا ہے وہ اگر چاہے تو آگ کو بھی جلانے سے روک سکتا ہے جس طرح آگ کا وجود خود بخود نہیں اسی طرح اُس کی تاثیر بھی خود بخود نہیں سب کچھ حق تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے۔

کسی شئے کے تمام اسباب و شرائط اور موانع کا علم ممکن نہیں

عقل کتنی ہی دُوربین اور دُوررس کیوں نہو مگر بہر حال اس کا ادراک نہایت محدود ہے اور پھر یہ کہ وہ ادراک معصوم عن الخطا بھی نہیں۔ کوئی عقل ایک شئی کے متعلق بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اس شئے کے تمام اسباب اور تمام شرائط اور موانع اُس کو معلوم ہو چکے ہیں اور تمہارے علم اور ادراک نے ان سب کا احاطہ کر لیا ہے لہذا ممکن ہے کہ ایک شئی کے اسباب متعدد ہوں اور اس کے وجود کیلئے کچھ شرائط اور موانع ہوں اور تم کو اُن میں سے بعض کا علم ہوا ہو اور بعض بلکہ اکثر سے تم بے خبر اور ناواقف ہو۔ دنیا میں مشاہدہ ہے کہ ایک شئی کے اسباب فراہم ہوتے ہیں مگر نا معلوم موانع کی وجہ سے یا کسی شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے وہ چیز ظہور پذیر نہیں ہو سکتی۔ پس جو لوگ معجزات اور خوارق عادات کا انکار کرتے ہیں وہ درپردہ اپنے علم اور ادراک کے محیط اور غیر محدود ہونیکے مدعی ہیں اور گویا کہ بزبان حال یہ کہہ رہے ہیں کہ ہماری اس اندھی اور لولی اور لنگڑی عقل نے عالم اسباب کے تمام اسباب و علل کا پورا پورا ادراک اور احاطہ کر لیا ہے اس لئے ہم حکم لگاتے ہیں کہ ایسے خارق عادت واقعہ کا پیش آنا ناممکن اور محال ہے۔

اہلِ عقل انصاف فرمائیں کہ کیا ایسا دعویٰ مغرورانہ اور غیر دانشمندانہ دعویٰ نہیں۔ سائنس کے بڑے بڑے اساتذہ اور ماہرین کو اس کا اعتراف ہے اور ببانگ دھل وہ اس کا اعلان کرتے ہیں کہ ہمکو کل قوانین قدرت پر تو کجا اس کے کسی معمولی حصہ پر بھی احاطہ حاصل نہیں ہوا لیکن اس کے باوجود جب کوئی چیز اُن کے محدود اور معدود مدرکات سے باہر ہوتی ہے تو نہایت بے باکی اور ڈھٹائی سے اس کی تکذیب پر تیار ہو جاتے ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ کوئی عقل

یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اس نے تمام قوانین قدرت کا احاطہ کر لیا ہے اور جو اس کے خلاف ہے وہ سب غلط ہے

اسباب و علل سے بحث کرنا مذہب کی غرض و غایت کے خلاف ہے

مذہب کی غرض و غایت یہ ہے کہ مظاہر قدرت کو بیان کرے تاکہ حق تعالےٰ کی معرفت حاصل ہو اور پھر اس کی صحیح معرفت سے اس کی عظمت اور محبت کا داعیہ دل میں پیدا ہو اور پھر یہ داعیہ اس کو خدا تعالیٰ کی اطاعت پر آمادہ کرے۔

پس اگر طلوع و غروب اور کسوف کے اسباب و علل سے بحث کی جائے تو مذہب کا مقصد فوت ہوتا ہے نیز اس قسم کی بحثیں عام لوگوں کیلئے مفید ہی نہیں بلکہ محض بے سود ہیں۔

دوسری بات کا جواب

منکرین خوارق کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ معجزات اور کرامات قانون قدرت کے خلاف ہیں۔

جواب یہ ہے

کہ آپ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ بات قانون قدرت کے خلاف ہے۔ آپ یہ بتلائیں کہ آپ کے پاس وہ کونسا مکمل اور مرتب قانون ہے جس کی بناء پر آپ یہ حکم لگاتے ہیں کہ یہ امر قانون قدرت کے خلاف ہے آپ ہمیں یہ بتلائیں کہ قوانین قدرت کیا ہیں اور ہم کو کوئی آسمانی اور زمینی کتاب دکھلائیں جس میں قوانین قدرت کی تشریح اور تفصیل کی گئی ہو۔ ایسی کتاب نہ تو آسمان سے اُتری اور نہ اس موضوع پر آج تک زمین پر کوئی کتاب لکھی گئی اور نہ کوئی لکھ سکتا ہے ایک انسان سراپا سہو و نسیان کا محدود اور تنگ دماغ خداوند ذوالجلال کے غیر محدود قدرت کے قوانین کس طرح بیان کر سکتا ہے اور کس کو قدرت ہے کہ اُس کی غیر محدود قدرت کو کسی قانون اور ضابطہ میں منحصر کر دیوے

قانونِ قدرت ان محسوسات کا نام نہیں کہ جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ انسان کا دائرہ معلومات

چند محسوسات سے باہر نہیں اپنی عمر میں ہم جو کچھ دیکھتے آئے وہ صرف محسوسات ہی کو دیکھتے آئے ان محسوسات کے دیکھنے سے ہم کو بے شمار غیر محسوس اشیاء میں اس کی قدرت کا قانون کیسے معلوم ہو گیا ایک انسان کی عمر تو چندروزہ۔ ہا اگر سارے عالم کی عمریں اور اُن کے تجربے بھی ملالئے جائیں تو اس محدودہ تجربہ سے خدا تعالیٰ کی قدرت کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ کاش کوئی ہمیں بتلائے کہ وہ کونسی کتاب ہے جس میں قدرت خداوندی کے قوانین لکھے ہوئے ہیں اور وہ کتاب تحریف و تبدیل سے پاک ہے اور قائل نے اُس کتاب کو حفظ کر رکھا ہے۔ اور اگر بالفرض والتقدیر اس کی قدرت کا کوئی قانون ہے بھی، تو وہ اسی کا تو بنایا ہوا ہوگا۔ بندوں کا بنایا ہوا تو نہ ہوگا۔ تو نہ ہوگا تو جو قانون خود اس نے بندوں کو بنا کر دیا ہے کیا وہ اس میں تغیر اور تبدل نہیں کر سکتا۔ اصل پیچیدگی یہ ہے کہ یہ ملحدین اور منکرین خوارق۔ معاذ اللہ۔ حق تعالیٰ کو صدر جمہوریہ کی طرح سمجھتے ہیں کہ اُس کو کسی قانون میں تغیر اور تبدل کا اختیار نہیں۔ اسلام ایسے مجبور خدا کا قائل نہیں۔ کوئی معجزہ قانون قدرت کے خلاف نہیں بلکہ معجزہ ایک ایسا دریچہ اور روشن دان ہے اور آئینہ ہے کہ جس سے قدرت کا چہرہ زیادہ صفائی سے اور زیادہ قریب سے نظر آجاتا ہے۔ اسباب بھی اُسی کی قدرت کے آئینے اور مظاہر ہیں مگر معجزات اور کرامات اُن سے بڑھ کر اس کی قدرت کا آئینہ ہیں کہ جن کو دیکھتے ہی خدا کی قدرت اور اُس کی ہستی اور اپنی عاجزی اور نیستی کا اضطراری طور پر یقین بلکہ مشاہدہ ہو جاتا ہے۔

۲

روزانہ عجائب وغرائب کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ کیا یہ تمام عجیب وغریب واقعات جو روزانہ پیش آتے رہتے ہیں یہ سب قوانین قدرت کے خلاف ہیں عالم عناصر اور عالم البسائط کے عجائبات پر نظر ڈالے اور پھر عالم مرکبات اور پھر عالم نباتات اور پھر عالم حیوانات اور پھر عالم انسان کے عجائب پر نظر ڈالے۔ ہر اعلیٰ طبقہ اپنے ادنیٰ کے لحاظ سے فوق العادت امور کا ایک عجیب وغریب مجموعہ بنا ہوا ہے اگر فرض کرو کہ حیوانات اپنے قصور ادراک کی وجہ سے انسانی عجائبات کا انکار کرنے لگیں اور انسانی کرشموں کا مذاق اڑانے لگیں اور یہ کہنے لگیں کہ انسان کی یہ باتیں، قانون فطرت اور آئین قدرت کے خلاف ہیں۔ کیا عقلاء کے نزدیک حیوانات کا یہ انکار اور تمسخر کوئی قدر وقیمت رکھتا ہے پس جو نسبت عالم حیوان اور عالم انسان میں ہے،

وہی عالم نسبت عالم جسمانی اور عالم روحانی اور فلاسفہ اور انبیاء کرام میں ہے اور جس طرح عالم انسانی کے کرشمے عالم حیوانی سے بڑھ کر ہیں اسی طرح عالم روحانی کے کرشمے عالم انسان کے کرشموں سے بڑھ کر ہیں۔

قدرت اور عادت میں فرق

یہ دو لفظ ہیں جن میں عام طور پر لوگ فرق نہیں کرتے حالانکہ ان دونوں کا فرق خود ان کے مدلول اور مفہوم ہی سے ظاہر ہے۔ قدرت کے معنی کر سکنے کے ہیں۔ اور عادت کے معنی کرتے رہنے کے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں۔

جس طرح انسان میں دو چیزیں الگ الگ ہیں ایک قدرت اور ایک عادت۔ عادت ایک خاص معمول کو کہتے ہیں اور قدرت اس کے خلاف کر سکنے کو کہتے ہیں۔

اسی طرح سمجھ کہ حق تعالیٰ کی ایک عادت ہے اور ایک قدرت اکثر و بیشتر امور کا ظہور عادت مستمرہ کے مطابق ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھی کسی حکمت اور مصلحت سے خلاف عادت بھی فرماتے ہیں اور کوئی کام خلاف عادت کرنا۔ خارج از قدرت نہیں ہوتا۔ اسباب سے مسببات کا پیدا کرنا حق تعالیٰ کی عادت ہے اور گاہ بگاہ بلا سبب کے مسبب پیدا کر دینا یہ اس کی قدرت کا کام ہے۔ پس معجزات اور خوارق عادات قانون عادت کے خلاف تو ہیں۔ لیکن قانون قدرت کے خلاف نہیں لہٰذا معجزات کو قانونِ قدرت کے خلاف بتانا کسی طرح صحیح نہیں اور خلافِ عادت ہونے سے کسی چیز کا محال ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ان منکرین معجزات نے قدرت اور عادت کے فرق کو بھی نہ سمجھا اس لئے خلاف عادت کو خلاف قدرت سمجھ بیٹھے۔

دیکھو اللہ تعالیٰ کی عام عادت یہ ہے کہ ولادت ایک خاص طریقہ پر ہوتی ہے کہ اوّل نطفہ ہو پھر علقہ اور پھر مضغہ وغیرہ وغیرہ۔ مگر اس عادت سے یہ لازم نہیں آتا کہ بغیر نطفہ کے پیدا کرنا اس کی قدرت سے خارج ہو۔ قدرت۔ عادت سے بالا اور بلند ہے۔ اور قدرت ہی تمام اسباب پر حاکم اور فرمانروا ہے۔ معاذ اللہ کیا اسباب قدرت ازلیہ کے پیروں میں کوئی زنجیر ڈال کر اس کو پابند اور مقید کر سکتے ہیں۔

عادتِ عامہ اور خاصہ

پھر عادتِ عامہ کی بھی دو قسمیں ہیں ایک عادتِ عامہ اور ایک عادتِ خاصہ۔ بادشاہوں کا وزراء کے ساتھ اور معاملہ ہوتا ہے اور عام وفاداروں کے ساتھ اور معاملہ ہوتا ہے! اسی طرح حق تعالیٰ کا معاملہ حضرات انبیاء کے ساتھ عام لوگوں کے معاملہ سے جدا اور ممتاز ہوتا ہے پس جو خوارق اور معجزات حضرات انبیاء کی تصدیق کیلئے ظاہر کئے جاتے ہیں۔ وہ صرف عادت عامہ کے خلاف ہوتے ہیں۔ مگر عادت خاصہ کے خلاف نہیں ہوتے اس لئے کہ خواص اور مقربین کیلئے یہی عادت اور سنت ہے کہ اُن کو اس قسم کے خوارق اور معجزات سے سرفراز کیا جائے بلکہ اگر معجزات اور خوارق عادات ظاہر نہ کئے جائیں تو یہ خلافِ حکمت ہوگا۔ اسلئے کہ فرق مراتب کو ملحوظ رکھنا اور استاذ اور شاگرد کے ساتھ علیحدہ علیحدہ معاملہ کرنا عین عقل اور عین فطرت ہے اور سراسر دانائی اور حکمت ہے۔ گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی جیسا تعلق ہوتا ہے ویسا ہی معاملہ ہوتا ہے۔ بادشاہ کا اپنے وزراء کے ساتھ برتاؤ اور معاملہ اور ہوتا ہے اور چپراسیوں اور عام رعایا کے ساتھ برتاؤ اور معاملہ اور ہوتا ہے۔

۴

فلسفہ اور سائنس میں فلتات طبعیہ کا ایک مستقل باب ہے جس میں اُن امور کا ذکر کیا جاتا کہ جو مقررہ قوانین فطرت سے علیحدہ ہوتے ہیں اور علت اور معلول کے سلسلہ سے باہر ہوتے ہیں۔ فلاسفہ ان تمام واقعات کو اگر صحیح سند سے ثابت ہو جائیں تو اُن کو بلا تامل قبول کرتے ہیں اور اُن کی توجیہ اور تاویل کرتے ہیں مگر معجزات اور خوارق عادات کا گو وہ بطریق تواتر ثابت ہوں۔ اُن کی تکذیب کرتے ہیں اور مذاق اڑاتے ہیں۔

فرانس کے ایک فیلسوف نے اپنی کتاب المسائل الروحیہ میں ایک عورت کا ذکر کیا ہے جس کا ایک پستان بائیں ران میں تھا اور وہ بچہ کو اسی پستان سے دودھ پلاتی تھی! یہ عورت ۱۸۲۷ء میں پیرس کی جمعیتہ الفضلاء کے سامنے پیش ہوئی۔

اس قسم کے خوارق کے سب قائل ہیں لیکن جب کبھی کسی خارق عادت امر کا نبی کے معجزہ اور کرامت کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے تو یہی لوگ فوراً اس کی تکذیب پر کمربستہ ہو جاتے ہیں۔

۵ نیز خوارق عادات اگر محال بھی ہوں تو عام لوگوں کی جسمانی قوت کے لحاظ سے محال ہوں گے لیکن روحانی قوت کے لحاظ سے اُن کو محال کہنا نادانی ہے۔ اور خداوند ذوالجلال کی قوت اور قدرت کے لحاظ سے محال کہنا تو کمال نادانی ہے۔

جس درجہ کا فاعل ہوگا۔ اس کی تاثیر بھی اسی درجہ کی ہوگی، ایک انسان بیک وقت دس من وزن نہیں اُٹھا سکتا۔ لیکن ریل کا انجن ہزاروں ٹن وزن گھنٹوں میں صدہا میل گھسیٹ کرلے جاتا ہے معمولی قوت برقیہ سے وہ کام ہوجاتا ہے جو ہزارہا انسان مل کر بھی نہیں کرسکتے۔

تیسری بات کا جواب

خوارق کو ماننا وہم پرستی نہیں اور نہ خوارق کے ماننے والے سادہ لوح اور وہم پرست ہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کے حکیم اور دانا ہیں اور دانا ایسے ہیں کہ جن کے سامنے بڑے بڑے فیلسوف گرد ہیں

صد ہزاراں طب جالینوس بود پیش عیسیٰ و دمش افسوس بود

حضرات انبیاء سے جن حقائق اور معارف کا ظہور ہوا وہ وہ حقائق تھے جنہوں نے نوع انسانی کی کایا پلٹ کردی اور جاہلوں اور وہم پرستوں کو اوہام اور تخیلات کے وادی تیہ سے نکال کر علم و حکمت کے قصر میں لاکر بٹھلا دیا۔

چوتھی بات کا جواب

چوتھی بات یہ تھی کہ خوارق کے ماننے سے نظام عالم کا مختل ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ خوارق کے ماننے سے اسباب و وسائل سے وثوق اُٹھ جاتا ہے۔

جواب یہ ہے

کہ جس طرح ناگہانی طور پر ریل کے پٹری سے اُتر جانے یا پل ٹوٹ جانے اور یا دفعۃً کونین کے استعمال سے بخار کے بڑھ جانے سے ریل اور علم طب سے اطمینان اور وثوق زائل نہیں ہوجاتا کہ لوگ سفر کرنا اور علاج کرنا ہی چھوڑ دیں۔

اسیطرح خوارق عادات کے ظہور سے نظام عالم مختل نہیں ہوتا۔ بلکہ خوارق کا ظہور ہماری ابتری کا

علاج ہیں کہ خدا سے غافل نہ رہیں۔ نیز اختلال کے معنی یہ ہیں کہ اختیار کو بے موقعہ اور غلط استعمال کیا جائے! اور یہ بات بندہ میں تو ممکن بلکہ واقع ہے اور خدا تعالیٰ کی بارگاہ اس سے پاک اور منزہ ہے نیز یہ کہ منکرین معجزات۔ فلتات طبیعیہ پر تو ایمان رکھتے ہیں۔ تو اب سوال یہ ہے کہ کیا ان فلتات طبیعیہ سے انتظام عالم کو صدمہ نہیں پہونچا اور کیا ایسے عجیب وغریب امور کے ظہور سے یکسانیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

پانچویں بات کا جواب

خوارق کا وجود ترقی کی راہ میں مزاحم نہیں۔ ترقی۔ انسان کے دائرہ اختیار میں ہوتی ہے۔ اور خوارق کا نہ تو وجود انسان کے اختیار میں ہے اور نہ اُن کا مٹادینا اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ بلکہ خوارق کا ظہور عبرت اور بصیرت کا سبب ہے جس سے حق تعالیٰ کی معرفت میں اور ترقی ہوتی ہے لہذا خوارق کا ظہور علم ومعرفت کی ترقی کا ذریعہ ہے

معجزات۔ دلائلِ نبوّت اور براہین رسالت ہیں

عقلاً ہر دعوے کیلئے دلیل کی ضرورت ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جو نبوت ورسالت کا دعوے کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ ہم خداوند ذوالجلال کے سفیر ہیں اور خدا اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں۔ اس عظیم الشان دعوے کیلئے بھی دلیل چاہیئے۔

اس دعوے کے دلائل اور براہین معجزات اور خوارق عادات ہیں معجزہ اس خارق عادت امر کو کہتے ہیں کہ جو بلا کسی سبب ظاہری کے نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور سارا عالم اس کے مثل لانے سے عاجز اور درماندہ ہو۔

حکیم مطلق نے اس عالم کو عالم اسباب بنایا ہے۔ اس کی سنت اور عادت یہ ہے کہ کوئی کام بغیر سبب کے پیدا نہیں فرماتے اسی کو عادت کہتے ہیں لیکن کبھی اپنی قدرت سے [illegible] دت کو توڑ کر

بلا سبب کوئی کام نبی کے ہاتھ پر پیدا فرماتے ہیں تاکہ اس خارق عادت امر کو دیکھ کر لوگ یہ سمجھ جائیں کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فعل ہے .... نبی اور رسول کا ذاتی فعل نہیں۔ اس لئے کہ اسباب کا توڑنا بندہ کی قدرت سے خارج ہے بندہ کیلئے یہ ممکن نہیں کہ بغیر سبب کے کوئی کام کر سکے معجزہ کو دیکھتے ہی بدیہی طور پر یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ شخص مؤید من اللہ ہے اسی کی تصدیق کیلئے من جانب اللہ اس قسم کے خوارق ظاہر ہو رہے ہیں کہ جو بلاشبہ قدرت بشری سے خارج ہیں معلوم ہوا کہ اس شخص کے ہاتھ کے پیچھے دست قدرت پوشیدہ طور پر کارفرما ہے اور اس نبی کے ہاتھ سے جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے وہ حقیقت میں اللہ کا فعل ہے نبی کا فعل نہیں۔ اس لئے کہ اس کے صدور میں نبی کے ارادہ اور اختیار کو دخل نہیں۔ نبی کو یہ قدرت نہیں کہ جب چاہے وہ معجزہ دکھلا سکے

ما رمیت اذ رمیت گفت حق ۔۔۔ کار حق بر کارہا دارد سبق

گر بپرانیم تیر آں نے زماست ۔۔۔ ماں کمان تیر انداز ش خداست

پس جس طرح نبی کے ہاتھ پر ایسے فعل کا ظاہر ہونا جس سے مطلقاً قدرت بشری عاجز و درماندہ ہو یہ نبی کا عملی معجزہ ہے اسیطرح نبی کی زبان سے ایسی خبروں اور پیشین گوئیوں کا صدور اور ظہور جس سے علم بشری اور ادراک انسانی قاصر اور عاجز ہو یہ نبی کا علمی معجزہ ہے بلا کسی قرینہ اور بلا کسی سبب ظاہری کے غیب کی باتوں کی خبر دینا یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کا علام الغیوب اور عالم غیب سے کوئی خاص تعلق ہے بدون خداوند علام الغیوب کے اطلاع دے۔ کوئی بشر ایسی پیشین گوئی نہیں کر سکتا۔ بادشاہ اگر کسی کو وزیر یا سفیر یا حاکم بنا کر بھیجتا ہے تو اس منصب کے ساتھ اس کو کچھ شاہی امتیازات اور نشانات بھی عطا کرتا ہے اور ایسی خصوصیات سے اس کو سرفراز فرماتا ہے جو دوسروں کی دسترس سے خارج ہوتی ہیں۔ جن کو دیکھ کر لوگ یہ یقین کر لیتے ہیں کہ یہ شخص بادشاہ کے حکم سے آیا ہے اور پھر اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہیں اور احوال اور قرائن سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ نشانات جعلی نہیں اور بلاشبہ یہ شخص بادشاہ کی طرف سے وزیر اور سفیر بن کر آیا ہے۔

اور علیٰ ہذا القیاس بادشاہ کبھی کبھی اپنے وزیر اور سفیر کو اپنے خاص خاص رازوں پر مطلع کرتا ہے۔ اور جب وہ وزیر اور سفیر عند الضرورت اور حسب مصلحت ان رازوں سے لوگوں کو بطور

تنبیہ و تہدید آگاہ کرتا ہے تو اہل فہم سمجھ جاتے ہیں کہ یہ شخص بادشاہ کا مخصوص اور مقرب ہے۔
اسی طرح خداوند علام الغیوب کبھی کبھی اپنے رسولوں کو بذریعہ وحی کے بعض غیبی امور کی اطلاع دیتے ہیں تاکہ لوگ سمجھ جائیں کہ اس شخص کا عالم غیب سے خاص تعلق ہے اور یہ شخص خداوند علام الغیوب کا مقبول اور برگزیدہ بندہ ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے رموز سے آگاہ فرمایا ہے اس لئے کہ حضرات انبیاء و مرسلین جن باتوں کی خبر دیتے ہیں وہ عقل اور تجربہ سے کہیں بالا اور برتر ہوتی ہیں۔ ان کو سُن کر لوگ یقین کر لیتے ہیں کہ یہ باتیں صرف خداوند علام الغیوب ہی کے بتلانے سے معلوم ہوسکتی ہیں اور جس طرح عملی معجزات حق تعالیٰ کی قدرت اور قہر کا نمونہ ہوتے ہیں اسی طرح علمی معجزات حق تعالیٰ کی بے چون و چگون علم و حکمت کا نمونہ ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر نبی کے سچے ہونے کا علم بلا اختیار دل میں آجاتا ہے اور اس کے غلبہ اور رعب کے سامنے کسی کا پاؤں نہیں جمتا اور اختیار کی باگ ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے سوائے عناد اور دنیوی اغراض کے سے کوئی شئے ایمان سے مانع نہیں رہتی پس جو لوگ معجزہ دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لائے اُس کا سبب صرف عناد اور ازلی بدنصیبی ہے۔

معجزات کے دلیل نبوّت ہونیکا ثبوت قرآن کریم سے

قرآن کریم میں جابجا کفار کا انبیاء کرام سے معجزات کا مطالبہ کرنا مذکور ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ اپنی نبوت و رسالت کی کوئی دلیل اور برھان پیش کرو۔

(۱) ان انتم الا بشر مثلنا تریدون ان تصدونا عما کان یعبد اٰباؤنا فأتونا بسلطان مبین — کافروں نے پیغمبروں سے کہا۔ تم ہم ہی جیسے آدمی ہو۔ تم ہم کو ہمارے آباؤ اجداد کے طریقہ عبادت سے روکنا چاہتے ہو پس تم نبی ہو تو رسالت کی کوئی واضح اور روشن دلیل لاؤ یعنی کوئی معجزہ دکھلاؤ۔

قوم ثمود نے اپنے رسول سے کہا:۔ ما انت الا بشر مثلنا فات بایۃ ان کنت من الصادقین نہیں ہو تم مگر ہمارے ہی جیسے بشر، پس کوئی معجزہ اور نشانی دکھلاؤ اگر تم دعوئے نبوت میں سچے ہو۔

قال ھذہ ناقۃ ۔ الآیۃ — صالح علیہ السلام نے جواب دیا۔

کہ وہ معجزہ یہ اونٹنی ہے جو بطور خرق عادت بلا کسی سبب ور ہری کے فوراً پتھر میں سے پیدا ہوئی ہے

اور فرعون کے قصہ میں ہے۔

قال ان کنت جئت بآیۃ فأت بھا ان کنت من الصادقین۔	فرعون نے کہا۔ اے موسٰی اگر تم من جانب اللہ کوئی معجزہ لائے ہو تو اس کو پیش کرو۔ اگر تم دعوٰے نبوت میں سچے ہو۔
فالقی عصاہ فاذا ھی ثعبان مبین ونزع یدہ فاذا ھی بیضاء للنا ظرین۔	تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصاء زمین پر ڈال دیا وہ فوراً اژدھا بن گیا اور اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالکر نکالا تو وہ نہایت درجہ روشن تھا۔

ان آیات میں لفظ آیت اور لفظ آیات سے معجزات ہی مراد ہیں۔

لفظ آیت قرآن اور حدیث میں تین معنوں میں آیا ہے۔ (۱) بمعنی آیت قرآنیہ یعنی کلام الٰہی جیسے یتلون آیات اللہ یعنی اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں۔ اس قسم کی آیتوں میں لفظ آیت سے بمعنٰی قرآنیہ مراد ہے۔

(دوم) بمعنی عبرت جیسے فرعون کے غرق کے قصہ میں ہے

لتکون لمن خلفک آیۃ	یعنی ہم تیری لاش نکال کر ٹیلہ پر ڈال دینگے تاکہ لوگوں کے لئے عبرت ہو

(سوم) بمعنی معجزہ اور نشانی۔ اب ہم چند آیات قرآنیہ پیش کرتے ہیں جنمیں آیات کا لفظ معجزات کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔

(۱) ولقد ارسلنا موسی بآیاتنا الیٰ فرعون وملائہ

(۲) ولقد اتینا موسی تسع آیات بینات

(۳) فارسلنا علیھم الطوفان والجراد والقمل والضفادع والدم آیات مفصلات

(۴) فلما جاءھم موسیٰ بآیاتنا بینات۔

(۵) فلما جاءھم موسیٰ بآیاتنا اذا ھم منہ یضحکون۔

(۶) ولقد اریناہ آیاتنا کلھا فکذب وابیٰ۔

(۷) وما نریہم من آیۃ الا ھی اکبر من اختہا۔

(۸) قالوا مہما تاتنا بہ من آیۃ لتسحرنا بہا فما نحن لک بمومنین۔

(۹) ھل تنقم منا الا ان امنا بآیات ربنا لما جاءتنا

(۱۰) وجعلنا ابن مریم وامہ آیۃ۔ تولادتہ علی سبیل خرق العادۃ

(۱۱) فانجیناہ واصحاب السفینۃ وجعلناھا آیۃ للعالمین۔

یعنی نوح علیہ السلام اور اصحاب سفینہ کو ایسے طوفان سے نجات اور اس کشتی کو ہم نے تمام جہان کیلئے نشانی بنایا خارق عادت ہونے کی وجہ سے اس کو آیت کہا گیا۔

(۱۲) فانجاہ اللہ من النار ان فی ذالک لآیات لقوم یؤمنون۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو آگ سے بچایا یعنی آگ کو اُن کیلئے برد وسلام بنا دیا۔ قلنا یا نار کونی برداً وسلاماً علی ابراھیم تحقیق اس میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کیلئے۔

(۱۳) لقد رأی من آیات ربہ الکبریٰ

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے شب معراج میں بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

(۱۴) وان یروا آیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر۔

اور اگر کفار (شق قمر وغیرہ) کی طرح کوئی معجزہ آنکھوں سے بھی دیکھ لیں تب بھی عناد کی وجہ سے منہ پھیر لیں اور کہیں یہ عظیم جادو ہے۔

تنبیہ

ہر نبی کو حق جل شانہ نے اتنے معجزات ضرور عطا فرمائے کہ جن سے اُس نبی کی صداقت بخوبی واضح ہو سکے اور وہ معجزات اُس کی نبوت کی دلیل اور برھان بن سکیں۔ ان آیات بینات اور دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ کے بعد بھی اگر کفار نے معجزات کا مطالبہ کیا تو بعض مرتبہ تو اُن کے منہ مانگا معجزہ اُن کو دکھلا دیا گیا۔ واتینا ثمود الناقۃ فظلموا بہا۔

اور بسا اوقات کفار کے مطالبات اور منہ مانگے معجزات ظاہر کرنے سے انکار کر دیا گیا کیونکہ ان کا یہ مطالبہ تحقیق حق کیلئے نہ تھا بلکہ عناد اور تعنت پر مبنی تھا۔ خاص خاص معجزات کا مطالبہ حضرات

رسل کو دق کرنے اور اُن کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرنے کے لئے تھا۔ پس جن آیات میں معجزات دیئے جانے کی نفی اور انکار مذکور ہے وہاں اُن خاص خاص معجزات کی نفی مراد ہے کہ جن کا مطالبہ محض انبیاء کرام کو دق کرنے کیلئے یا اُن کے ساتھ تمسخر کرنے کیلئے تھا اور عقلاً یہ مناسب ہی نہیں کہ جس وقت کوئی کسی معجزہ کا مطالبہ کرنے کھڑا ہو تو اس کی مرضی کے موافق معجزہ دکھلا دیا جائے نبوت کیا ہوئی معاذ اللہ بازیچۂ اطفال ہو گئی۔ لوگ صبح سے شام تک قسم قسم کے معجزات کا مطالبہ کرینگے۔ پس اگر خدا کا پیغمبر سارے کام چھوڑ کر ان کی خواہشوں کے موافق معجزات دکھلاتا رہے تو کھیل اور تماشہ ہو جائے۔ ملاحدہ۔ یہ کہتے ہیں کہ ان آیات میں مطلقاً معجزات کی نفی مراد ہے یہ بالکل غلط اور باطل ہے مطلق معجزات کا وقوع بے شمار آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جس میں مجال انکار کی نہیں پس معلوم ہوا کہ جن آیات سے بظاہر معجزات کی نفی مفہوم ہوتی ہے وہاں اُن واہی تباہی اور معاندانہ فرمائشی معجزات کی نفی مراد ہے۔ جن کا مطالبہ کفار محض انبیاء کرام کو دق کرنے کیلئے کرتے تھے اور جن بے شمار آیات میں معجزات کا اثبات مذکور ہے۔ وہاں واقعی معجزات ہیں جو حضرات انبیاء کی نبوت و رسالت کے دلائل و براہین ہیں۔ علاوہ ازیں اثبات دعوے کیلئے مطلق صحیح دلیل کا پیش کر دینا کافی ہے۔ فرمائشی دلیل کا پیش کرنا ضروری نہیں۔ عدالت میں اثبات دعویٰ کیلئے دو ثقہ اور صادق گواہوں کا پیش کر دینا کافی ہے فرمائشی گواہ پیش کرنا ضروری نہیں حضرت انبیاء نے دعوے نبوت کے اثبات کیلئے بے شمار دلائل و براہین پیش کئے۔ مگر فرمائشی معجزات اور معاندانہ مطالبات کے پورا کرنے سے انکار فرما دیا اور اس کی وجہ بھی بیان فرما دی کہ تم لوگ اس قابل نہیں کہ تم کو یہ معجزہ دکھلایا جائے کیونکہ تم سے قبول حق کی امید نہیں اور کبھی یہ جواب دیا کہ اس قسم کے معجزات پہلے بھی دکھلائے جا چکے ان کا کیا نتیجہ ہوا جواب تمہارے مطالبات پورا کرکے امید رکھی جائے اور چونکہ کفار نابکار۔ حضرات انبیاء کرام کو جادوگر اور شعبدہ باز سمجھتے تھے اور معجزات کو سحر اور شعبدہ کی طرح اُن کا فعل اختیاری سمجھتے تھے اس لئے ان سے قسم قسم کے معجزات کا مطالبہ کرتے تھے اس خیال باطل کے رد کرنے کے لئے یہ جواب دیا گیا۔

وما کان لرسول ان یأتی بآیۃ الا باذن اللہ ۔ کسی رسول کیلئے یہ ممکن نہیں کہ بلا اذن

الا باذن اللہ۔ خداوندی خود بخود کوئی معجزہ دکھلا سکے۔

یعنی معجزہ اللہ کا فعل ہے نبی کا فعل نہیں۔ معاذ اللہ نبی کوئی جادوگر نہیں اور معجزہ سحر کی طرح کوئی فن نہیں کہ نبی کے اختیار میں ہے کہ جب چاہے اور جو چاہے معجزہ دکھلا دے، معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اللہ تعالیٰ فاعل مختار اور علیم و حکیم ہیں معجزہ کا ظہور اُن کے ارادہ اور مصلحت پر ہے جس میں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں اور علیٰ ہذا جن آیات میں یہ آیا ہے انما انت منذر و لکل قوم ھاد اور قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا۔ ان کا مطلب یہی ہے کہ میں منذر اور مبشر رسول ہوں تمہاری فرمائش کے موافق معجزات کا ظاہر کرنا میری قدرت اور اختیار میں نہیں کیونکہ تمہاری طرح میں بھی خدا کا بندہ اور بشر ہوں اور بشریت میں شریک ہوں اور معجزات طاقت بشری سے خارج ہیں یا یہ معنی ہیں کہ نبی کا کام تو ڈرانا اور پیغام پہونچانا ہے باقی ہدایت کا کسی کے دل میں اتار دینا یہ نبی کا کام نہیں بلکہ اللہ کا کام ہے۔ ملاحدہ نے ان آیات کا یہ مطلب قرار دیا۔ کہ میں رسول اور منذر ہوں اور نبی اور منذر کیلئے معجزہ ہوتا ہی نہیں اور نہ ہونا چاہیے بلکہ معجزہ کا ہونا شانِ نبوت و رسالت کے خلاف ہے سبحان اللہ۔ کیا عجیب فہم ہے۔ نعوذ باللہ من سوء الفہم۔ ان آیات کا صحیح مطلب وہ ہے جو ہم نے عرض کیا اور اگر بالفرض و التقدیر۔ ان آیات سے کسی درجہ میں معجزات کی نفی مفہوم ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خاص خاص فرمائشی معجزات اور یہ معاندانہ مطالبات شانِ رسالت کے مناسب نہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلقاً معجزہ شانِ رسالت کے مناسب نہیں۔

دعوائے رسالت اور معجزات میں تعلق

ہمارے اس بیان سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ معجزات نبوت و رسالت کی دلیل اور برہان ہیں اور معجزات کو نبوت و رسالت سے ایسا ہی تعلق ہے جیسا کہ شاہی نشانات اور امتیازات اور شاہی تمغوں کو منصب وزارت و عہدۂ سفارت سے تعلق ہے۔

نیز ہمارے اس بیان سے سرسید اور علامہ شبلی کے اس خیال کی بخوبی تردید ہو جاتی ہے کہ

جو یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ معجزہ رسول کی رسالت پر دلالت نہیں کرتا اور خرق عادت کو دعوئے رسالت سے کوئی تعلق نہیں (دیکھو الکلام مصنفہ علامہ شبلی ص۲)۔

علامہ شبلی کے نزدیک معجزہ دلیل نبوت نہیں مگر چونکہ نبوت جیسے مہتم بالشان امر کیلئے دلیل کی بہرحال ضرورت ہے اس لئے علامہ شبلی اور ان کے ہم خیالوں نے ایک اور چیز کو نبوت کی دلیل قرار دیا وہ کیا ہے۔ انبیاء کرام کی تعلیمات اور ہدایات اور ان کے اخلاق ہیں جس کا بالفاظ دیگر حاصل یہ ہے کہ معجزہ عملی کوئی چیز نہیں۔ صرف علمی معجزہ دلیل ہے گویا کہ علامہ کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ وہ نبی علماء و فضلاء ہی کی طرف مبعوث ہو جو اس کی تعلیمات اور ہدایات کی خوبیوں کو خوب سمجھ سکیں۔ عوام کی طرف نبی کے بعثت مناسب نہیں وہ علوم و معارف کو کیا جانیں۔ اس میں شک تعلیمات اور اس کی ہدایات اور اس کے اخلاق جمیلہ بھی اس کی نبوت اور صداقت کی دلیل ہیں مگر وہ بھی اسی وجہ سے دلیل نبوت ہیں کہ خارق عادت اور معجزہ ہیں ایسی تعلیمات اور ہدایات اور ایسے اخلاق فاضلہ سے تمام عالم عاجز ہے اور وہ تمام آیات اور احادیث متواترہ جن سے صریحی طور پر عملی معجزات کا ثبوت ہوتا ہے وہ علامہ شبلی کے نزدیک سب کے سب غیر معتبر یا مؤول ہیں

اس قسم کے خیال والوں سے ایک سوال

جو لوگ معجزات عملیہ کو دلیل نبوت نہیں قرار دیتے ہمارا اُن سے ایک سوال ہے وہ یہ کہ معجزات عملیہ مثلاً معجزہ عصا، معجزہ ید بیضاء اور آتش نمرودی کا حضرت ابراہیم کے حق میں بردو سلام ہو جانا اور حضرت داؤد کیلئے لوہے کا موم ہو جانا اور حضرت سلیمان کیلئے ہوا کا مسخر ہو جانا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پھونک مارنے سے مُردوں کا زندہ ہو جانا اور کوڑھی اور نابینا کا اچھا ہو جانا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انگشتان مبارک سے چشموں کا جاری ہو جانا اور ایک اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا اور ستون حنانہ کا رونا وغیرہ وغیرہ اس قسم کے معجزات عملیہ کا صدور حضرات انبیاء کرام سے قرآن اور حدیث متواتر اور تاریخ سے قطعی طور پر ثابت ہے جس کا انکار نا ممکن ہے۔

اب سوال یہ ہے

کہ اس قسم کے معجزات کا صدور حضرات انبیاء کرام سے کیوں ہوتا تھا آیا یہ کوئی فعل عبث اور کھیل اور تماشہ تھا یا اس میں کوئی حکمت اور مصلحت اور مناسب غرض و غایت تھی۔

شق اول تو ظاہر البطلان ہے اس لئے کہ حضرات انبیاء کرام ، یعنی اور عبث اور کھیل اور تماشہ اور شعبدہ بازی اس قسم کے افعال سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں یہ ناممکن ہے کہ حضرات انبیاء لغویات میں مبتلا ہوں لامحالہ شق ثانی کو ماننا پڑے گا کہ ان افعال (معجزات) کا صدور اور ظہور کسی مصلحت اور کسی صحیح غرض و غایت پر مبنی تھا۔ اب یہ حضرات بتائیں کہ ان افعال (معجزات) سے سوائے اس کے اور کیا غرض و غایت تھی کہ یہ خارق عادت افعال اُن کی صداقت کی دلیل بنیں اور لوگ ان معجزات کو اُن کی نبوت و رسالت کی برہان سمجھیں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے

فذانک برھانان من ربک — یعنی یہ دونوں معجزے تیری نبوت و رسالت کی دلیل اور برہان ہیں جو من جانب اللہ تجھ کو عطا کئے گئے ہیں ۔ معلوم ہوا کہ معجزہ نبوت کی دلیل اور برہان ہوتا ہے۔

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ

جو لوگ معجزہ کو دلیل نبوت نہیں قرار دیتے وہ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ اگر معجزہ دلیل نبوت ہے تو جو شخص عجیب و غریب شعبدہ اور کرشمہ دکھلائے تو اس کو بھی نبی کہنا چاہیے اس طرح نبی اور غیر نبی میں التباس اور اشتباہ لازم آئے گا۔

جواب

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ذرا سے اشتباہ کا نام آجانے سے کسی چیز کو بے اصل کہدینا اور سرے سے اُس کا انکار کر دینا مشتبہ العقل لوگوں کا کام ہے دنیا میں کون سی چیز ہے جس میں حق اور باطل کا اشتباہ نہیں ۔ صاحب سلطنت کے پاس بھی فوج اور خزانہ ہوتا ہے اور بعض اوقات باغی کے پاس بھی یہ تمام چیزیں ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ بعض مرتبہ صاحب سلطنت کا مقابلہ بھی کر

بیٹھتا ہے اور کسی موقعہ پر صاحب سلطنت کو شکست بھی دیتا ہے۔ کیا اس اشتباہ اور وقتی اور عارضی تشابہ کی وجہ سے عقلِ سلیم کے نزدیک مطلقاً سلطنت کا انکار درست ہے اور یہ کہدینا صحیح ہے کہ میں بادشاہت اور سلطنت کو اس لئے تسلیم نہیں کرتا کہ دونوں کے پاس ایک قسم کا سازو سامان ہے۔

بعض مرتبہ عطائی معالج طبیب اور ڈاکٹر سے بھی علاج میں فوقیت لیجاتے ہیں کیا اس تشابہ کیوجہ سے عقلِ سلیم کے نزدیک سرے سے ہی طب اور علاج کا انکار درست ہے اور یہ اس اشتباہ کی وجہ سے علاج کو بیکار سمجھنا جائز ہے۔ عدالت میں طرفین سے وکیل بحث کرتے ہیں اور اپنی اپنی دلیل پیش کرتا ہے حتیٰ کہ بعض مرتبہ اہل باطل کا وکیل بازی لیجاتا ہے تو کیا کسی عاقل کے نزدیک اس عارضی اشتباہ کی وجہ سے سرے سے دلیل ہی کا انکار کر دینا اور یہ کہہ دینا کہ دلیل کوئی چیز نہیں عقلاً صحیح ہے ہرگز نہیں بازار میں ہر قسم کا سودا بکتا ہے۔ کھرا بھی اور کھوٹا اس اشتباہ کی وجہ سے کسی نے سودا خریدنا نہیں چھوڑ دیا ورنہ دنیا کا کاروبار ہی بند ہو جائے

معلوم ہوا کہ اشتباہ کی وجہ سے ہر دو مشتبہ کو چھوڑ دینا عقلاً صحیح نہیں بلکہ حق اور باطل اور اصلی اور جعلی اور کھرے اور کھوٹے میں تمیز کی ضرورت ہے۔ اسی طرح معجزات اور شعبدات میں بھی امتیاز کرنا چاہیئے نہ یہ کہ ذرا سے اشتباہ سے معجزات کو شعبدات کی طرح بیکار قرار دے دیا جائے۔ اس لئے کہ معجزات ہی پر نبوت کی صداقت اور حقانیت کی بناء ہے اور پھر نبوت ہی کی معاد کی صلاح اور فلاح کی معرفت کا ذریعہ ہے اس لئے چھان بین کر کے حق اور ناحق میں تمیز ضروری ہے۔

اگر کھرے اور کھوٹے کے اشتباہ کی وجہ سے خرید و فروخت چھوڑ بیٹھیں تو دنیا کا کارخانہ معطل ہو جائے اسی طرح اگر معجزہ اور شعبدہ کے ذرائع سے اشتباہ کی وجہ سے نبوت کو چھوڑ بیٹھیں تو آپ کا کارخانہ آخرت معطل ہو جائے اور آپ اپنی اُخروی زندگی کیلئے کوئی سامان نہ کر سکیں۔

پس جب آپ ذرا سے اشتباہ کی وجہ سے دنیائے فانی کے منافع کو نہیں چھوڑ بیٹھتے تو ذرا سے اشتباہ کی وجہ سے عالم جاودانی کی دائمی منفعت حاصل کرنے کے لئے اور ابدی

حضرت سے بچنے کیلئے کیوں سرے سے نبوت اور آخرت کو ترک کئے دیتے ہو۔ عارف رومی فرماتے ہیں۔

جملہ عالم زین سبب گمراہ شد ! کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد
ہمسری با انبیاء بر داشتند اولیا را ہمچو خود پنداشتند
سحر را با معجزہ کردہ قیاس ہر دو را بر مکر پنہادہ اساس

کلید مثنوی صہ ۳۱ ج ۱ و بحر العلوم دفتر اول صہ ۳۰

ثبوت معجزات

بحمد اللہ یہ ثابت ہو گیا کہ معجزات ممکن ہیں، محال نہیں، لیکن محض امکان۔ ثبوت اور وقوع کیلئے کافی نہیں لہذا معجزات کے ثبوت اور وقوع کیلئے کوئی مستقل دلیل چاہئیے، جاننا چاہیئے کہ واقعات عالم کے ثبوت کا ذریعہ سوائے شہادت اور روایت کے اور کچھ نہیں یعنی لوگ یہ بیان کریں کہ یہ واقعہ ہم نے بچشم خود دیکھا ہے۔ یہ صورت تو شہادت کی ہوئی۔ اور روایت یہ ہے کہ ایسے واقعہ کو بیان کرے۔ جسے خود نہیں دیکھا ہے مگر دیکھنے والوں سے بالواسطہ یا بلا واسطہ سنا ہے اس کا نام روایت ہے اور عقلاً یہ معتبر ہے بشرطیکہ درمیانی واسطہ معتبر اور قابلِ وثوق ہو۔ تمام عدالتوں میں واقعات کا فیصلہ شہادت ہی سے ہوتا ہے پس اگر شہادت دینے والے اشخاص ہوشیار اور راستباز ہوں تو وہ قابل قبول ہوگی اور ایسی شہادت کا انکار اور اس سے انحراف قانوناً جرم ہوگا۔ اور اگر شہادت دینے والے افراد کی صداقت اور دیانت مشتبہ اور مشکوک ہو تو اُن کی شہادت قبول نہ ہوگی اور یہ مشکوک شہادت، عدالت کی نظر میں ثبوت واقعہ کیلئے کافی نہ سمجھی جائے گی۔ اور اگر شہادت دینے والے ایسے اشخاص ہوں کہ جن کے فہم اور حافظہ اور دیانت اور صداقت پر کہیں انگلی رکھنے کی گنجائش نہ ہو تو ایسے اشخاص کی شہادت کو قبول نہ کرنا بلا شبہ بے عقلی کی دلیل ہوگا خصوصاً جبکہ اس واقعہ کی روایت کرنے والے اور شہادت دینے والے درجۂ تواتر کو پہونچے ہوں تو اس روایت اور شہادت کو قبول کرنا عقل کا فرض ہوگا اور اس کو نہ قبول کرنا عقلاً تقریباً حرام ہوگا اور اگر مشاہدہ نہ ہو تو پھر علم کا ذریعہ روایت ہے۔ پس اگر اس واقعہ کے راوی معیارِ صداقت پر پورے

اترینگے تو وہ روایت قبول کی جائیگی اور تنقید روایت کا جو معیار حضرات محدثین نے بیان کیا ہے، دنیا کی تاریخ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی اور نہ عقلاً اس سے بڑھ کر کوئی معیار ہوسکتا ہے علم اصول حدیث اسی معیار کیلئے وضع کیا گیا ہے تاکہ صحیح اور غیر صحیح اور مقبول اور غیر مقبول میں فرق کیا جاسکے اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو لیجئے، کچھ تو قرآن کریم سے ثابت ہیں اور اکثر و بیشتر احادیث سے ثابت ہیں وہ جو معجزات قرآن سے ثابت ہیں وہ تو بہت کم ہیں اُنکے ثبوت میں تو کوئی کلام ہی نہیں ہوسکتا البتہ اکثر معجزات روایات حدیث سے ثابت ہیں جن میں سے بہت سے معجزات وہ ہیں کہ جو نقل متواتر سے ثابت ہیں اور بہت سے وہ ہیں کہ جو خبر واحد سے ثابت ہیں۔

اور تمام عقلاء عالم کا یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ اگر خبر دینے والے کا فہم اور حافظہ اور اس کی صداقت اور راستبازی قابل وثوق ہو تو اس کی خبر کو قبول کیا جائے گا اور ایسے شخص کی روایت واجب العمل ہوگی اور محض اس احتمال پر کہ ممکن ہے اس شخص کے سمجھنے یا یاد رکھنے میں کوئی غلطی ہوگئی ہو اور ممکن ہے کہ اس نے کسی غرض کی بناء پر جھوٹ بول دیا ہو۔ اس قسم کے عقلی احتمالات پر اس خبر کو رد کرنا جائز نہیں اگر خبر کے قابل قبول اور قابل عمل ہونے کیلئے ایسا یقین کامل شرط ہو کہ جس میں کسی قسم کا عقلی احتمال اور شک نہ نکل سکے تو کارخانۂ عالم معطل ہوجائے اس لحاظ سے کوئی خط اور تار معتبر نہ رہے گا۔ اور نہ کوئی زبانی پیغام قابل وثوق ہوگا اس لئے کہ ان میں بھی یہی احتمال ہے کہ ممکن ہے کہ خط لکھنے والے اور تار دینے والے سے کوئی غلطی ہوگئی اور شخص واحد سے غلطی کا ہونا مستبعد نہیں

پس جب ان عقلی احتمالات اور خیالی شکوک و خدشات کی بناء پر دنیاوی امور میں اخبار آحاد کے قبول کو لازم اور ضروری سمجھتے ہو تو پھر روایات معجزات میں، اخبار آحاد کے قبول کرنے میں کیوں پس و پیش کرتے ہو، حالانکہ روایات حدیث کا معیار اس سے ہزاروں اور لاکھوں درجے بلند ہے اور اس درجہ بلند ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اور کوئی مذہب اس کی گرد کو بھی نہیں پہونچتا اور دنیا کی کسی تاریخی روایت میں یہ جرأت نہیں . . . . کہ وہ روایت حدیث کے مقابلہ کا تصور بھی کرسکے۔ تاریخی واقعات جو مستند سے مستند اور معتبر سے معتبر کتاب میں مذکور ہیں کسی مورخ نے ان میں سے کسی واقعہ کی کوئی سند ذکر نہیں کی۔

بخلاف حضرات محدثین کے کہ ان کے یہاں بغیر سند کے کوئی روایت معتبر نہیں اور پھر محض

سند بھی کافی نہیں جب تک اول سے آخر تک سلسلۂ سند کے تمام راویوں کی تنقید نہ کرلیجئے

معجزاتِ نبویہ

معجزات نبویہ بعض تو قرآن کریم سے تفصیلاً اور اکثر اجمالاً اور احادیث صحیحہ سے کل معجزات تفصیلاً ثابت ہیں مثلاً قرآن کریم میں جہاں کہیں اثباتِ نبوت کے سلسلہ میں آیت یا آیات یا برھان کا لفظ آیا ہے وہاں سب جگہ باجماع مفسرین معجزات مراد ہیں مثلاً

(۱) واذا رأوا آیۃ یستسخرون وقالوا ان ھذا الا سحر مبین (سورہ صافات)

(۲) فلما جاءھم بآیاتنا اذا ھم منھا یضحکون۔ (زخرف)

(۳) ولقد ارسلنا موسیٰ بآیاتنا وسلطان مبین الیٰ فرعون وھامان وقارون فقالوا ساحر کذاب۔ (سورۂ مؤمن)

اور آیات قرآنیہ میں لفظ آیت اور لفظ آیات بکثرت معجزات کے معنی میں مستعمل ہوا ہے اگرچہ بہت جگہ نشانی یا آیت قرآنی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے لیکن جس مقام پر انبیاء کرام کی نبوت ثابت کرنے کیلئے لفظ آیت یا آیات آیا ہے وہاں سب جگہ معجزہ اور معجزات کے معنی مراد ہیں۔

معجزاتِ قرآنیہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جن معجزات کا ذکر قرآن کریم میں صراحۃً آیا ہے اُن کو اجمالاً ذکر کرتے ہیں اور جن معجزات کا ذکر احادیث صحیحہ میں آیا ہے وہ کتب احادیث اور سیر میں دیکھ لے جائیں جس پر علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

(۱) سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ الآیۃ

(۲) اقتربت الساعۃ وانشق القمر۔

(۳) ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔

(۴) وعد الله الذین امنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض الی لایشرکون بی شیئا

(۵) ھو الذی ارسل رسوله بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کله

ولو کرہ المشرکون - (سورۂ صف پارہ - ۲۸)

اور یہی مضمون دوسری آیت میں مذکور ہے :-

ھو الذی ارسل رسولهٗ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کله

وکفیٰ باللہ شھیدًا - (سورہ فتح پارہ - ۲۶)

حق تعالیٰ نے ان آیتوں میں دین محمدی کے تمام دینوں پر غالب کر دینے کا وعدہ فرمایا ہے

سو الحمد للہ پورا فرمایا۔

(۶) لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونك تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم

فانزل السکینة علیھم واثابھم فتحا قریبا ومغانم کثیرۃ تاخذونھا فعجل لکم ھذہٖ وکف ایدی

الناس عنکم ولتکون اٰیة للمؤمنین ویھدیکم صراطًا مستقیما واخری لم تقدروا علیھا

قد احاط اللہ بھا وکان اللہ علی کل شئ قدیرا ہ

ان آیتوں میں اللہ تعالےٰ نے فتح خیبر وغیرہ کا وعدہ فرمایا سو الحمد للہ پورا ہوا۔

(۷) لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ اٰمنین محلقین رؤسکم و مقصرین لا تخافون

فعلم ما لم تعلموا فجعل من دون ذالك فتحًا قریبًاط

اس آیت میں مسجد حرام میں داخل ہونے کی جو پیشں گوئی فرمائی وہ بحمدہ تعالیٰ پوری ہوئی -

(۸) قل للذین کفروا ستغلبون -

اس میں فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے سو الحمد للہ وہ وعدہ پورا ہوا۔

(۹) ام یقولون نحن جمیع منتصر سیھزم الجمع ویولون الدبر۔

اس میں بدر کی فتح کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۰) واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھا لکم وتودون ان غیر ذات الشوکة تکون

لکم ویرید اللہ ان یحق الحق بکلماتهٖ ویقطع دابر الکافرین -

اس آیت میں غزوہ بدر کی فتح کیطرف اشارہ ہے وہ بھی پورا ہوا۔

(۱۱) ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم البأساء والضراء وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین آمنوا معہ متی نصر اللہ الا ان نصر اللہ قریب۔ (سورہ بقرہ پارہ دوم)

اس آیت میں غزوہ احزاب کی طرف اشارہ ہے جس کی فتح کو دوسری آیت میں اس طرح صراحتاً بیان کیا گیا ہے۔ ولما رأی المومنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ ومازادھم الا ایمانًا وتسلیمًا۔ (سورہ احزاب)

(۱۲) اذا جاء نصر اللہ والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجًا فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابًا۔ اس آیت میں فتح مکہ کیطرف اشارہ ہے۔

(۱۳) الٓمٓ غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین للہ الامر من قبل ومن بعد ویومئذ یفرح المؤمنون بنصر اللہ ینصر من یشاء وھو العزیز الرحیم۔ وعد اللہ لایخلف اللہ وعدہ ولکن اکثر الناس لایعلمون۔

اس آیت میں کسریٰ کے مقابلہ میں غلبۂ روم کی پیشین گوئی فرمائی۔ وہ بھی پوری ہوئی۔

(۱۴) انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون۔ (سورۂ حجر پارہ ۱۴)

وبمعناہٗ قولہ تعالیٰ لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔ (حٰم سجدہ پارہ ۲۴)

اس آیت میں قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے بحمدہٖ تعالیٰ وہ بھی پورا ہوا۔

(۱۵) ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الیٰ معاد۔ (سورہ قصص پارہ ۲۰)

ای لرادک الیٰ مکۃ وکان قد اشتاقھا وقد سألہٗ اللہ تعالیٰ بھذا عند الھجرۃ

اس آیت میں فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے

(۱۶) قل ان کانت لکم الدار الاٰخرۃ عند اللہ خالصۃ من الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین ولن یتمنوہ ابدًا بما قدمت ایدیھم واللہ علیم بالظالمین

اس آیت میں یہود کے متعلق پیشین گوئی فرمائی۔ وہ بھی پوری ہوئی۔

(۱۷) ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ۔ (سورۂ بقرہ پارہ اول)

وبعتاه آیہ آل عمران۔ لن یضروکم الا اذی وان یقاتلوکم یولوکم الادبار
ثم لا ینصرون ضربت علیھم الذلۃ اینما ثقفوا الا بحبل من اللہ وحبل من الناس
وباؤا بغضب من اللہ وضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ۔

ان آیات میں جن امور کی خبر دی گئی وہ سب پورے ہوئے۔

(۱۸) سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب بما اشرکوا باللہ مالم ینزل بہ سلطانا
وقد ظھر الرعب فی کثیر من الغزوات حیث ھربا الکفار مرعوبین

اس آیت میں حق تعالےٰ نے وعدہ فرمایا۔ کہ کافروں کے دل میں تمہارا رُعب ڈال دیں گے
یہ وعدہ بھی پورا ہوا جس کا ظہور بہت سے غزوات میں ہوا کہ کفار باوجود کثرت کے مسلمانوں کی
قلیل جماعت سے مرعوب اور مغلوب ہوئے۔

(۱۹) یاایھا الذین آمنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذجاءتکم جنود فارسلنا علیھم
ریحًا وجنودًا لم تروھا وکان اللہ بما تعملون بصیرًا۔ وفی الحدیث نصرت بالصبا
واھلکت عاد بالدبور۔

اس آیت میں غزوۂ احزاب کی فتح و نصرت کا ذکر ہے

(۲۰) قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یأتوا بمثل ھٰذا القرآن لا یأتون بمثلہ
ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا۔ (سورۂ بنی اسرائیل)

اس آیت میں قرآن کریم کے متعلق پیشین گوئی ہے کہ قیامت تک کوئی اس کی مثل نہیں لاسکیگا

معجزات نبوی پر مخالفین کے اعتراضات

اور

اُن کے جوابات

اب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند مشہور معجزات کا ذکر کرتے ہیں جو قطعی دلائل سے

ثابت ہیں اور ان کا ماننا ایمانیات میں داخل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ملاحدہ کے شبہات اور اعتراضات اور اہل حق کے جوابات بھی ذکر کریں گے تاکہ تشنگان ہدایت کیلئے آبحیات کا کام دیں۔

معجزۂ معراج

معترضین کے اعتراضات اور اُنکے جوابات

واقعۂ معراج پر اعتراض کرنے والوں کے دو گروہ ہیں، ایک گروہ تو وہ ہے کہ جو مذہب اسلام کا حلقہ بگوش ہی نہیں اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا قائل ہے۔

دوسرا گروہ وہ ہے کہ جو اپنے آپ کو اسلام کا حلقہ بگوش کہتا ہے مگر واقعات معراج میں تاویلات سے کام لیتا ہے اور اپنے زعم میں واقعۂ معراج کو عقل کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے کبھی کہتا ہے کہ واقعۂ معراج محض ایک خواب تھا کبھی کہتا ہے کہ وہ روحانی تھا جسمانی نہ تھا اور گول مول عبارتیں لکھتا ہے اور مختلف اقوال نقل کر کے ناظرین کو شک میں ڈال دیتا ہے اور خود علیحدہ ہو جاتا ہے یہ منافقانہ چالاکی اور عیاری ہے۔ لہٰذا ہم پہلے گروہ کے شبہات نقل کر کے اُنکے جوابات ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

پہلا شبہ

آسمان کا کوئی وجود ہی نہیں وہ محض ایک مد بصر کا نام ہے تو پھر آسمان پر جانیکے کیا معنی

جواب

آسمان کے وجود کا مسئلہ ایک مسلّمہ مسئلہ ہے جو تمام انبیاء کرام کی شریعتوں میں مسلّم رہا اور ہزار ہا سال سے تمام حکماء اور فلاسفہ آسمان کے وجود کو تسلیم کرتے چلے آئے کہ آسمان ایک موجود اور مجسّم شئ ہے کسی صفت یا حد نگاہ کا نام نہیں زمانۂ حال کے فلاسفہ اور سائنسدان آسمان کے وجود کے منکر ہیں لیکن اس انکار کی وجہ ان کے پاس سوائے اس کے کچھ نہیں کہ آسمان

اُن کو نظر نہیں آتا۔ اگر ہے تو ہم کو ضرور نظر آنا چاہیئے اور اگر آنکھوں سے نظر نہ آئے تو دُوربین وغیرہ آلات کے ذریعہ نظر آئے۔

اہل نظر سمجھ سکتے ہیں۔ کہ کسی چیز کا آنکھوں یا آلات سے نظر نہ آنا یہ اُس کے معدوم ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ اب بھی ہزارہا اشیاء زمین یا سمندر کی تہہ میں پوشیدہ ہیں کہ جو کسی طرح نظر نہیں آتیں اُن سب کا انکار کر دینا چاہیئے۔

نیز اگر کسی روشن چراغ پر شیشہ کا صاف و شفاف گلوب رکھدیا جائے تو دُور سے صرف چراغ نظر آئے گا۔ اور وہ گلوب نظر نہ آئے گا حالانکہ وہ موجود شئی ہے معلوم ہوا کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اُس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ ممکن ہے کہ کوئی چیز حد نگاہ سے اتنی دور ہو کہ وہاں تک انسان کی نہ قدرتی آنکھ پہونچ سکے اور نہ کسی آلہ کے ذریعہ اُس کی نگاہ وہاں تک پہونچ سکے لہٰذا ایسی چیز نظر نہیں آتی۔ اسی طرح آسمان نگاہ سے دُور بھی ہے اور کوئی آنکھ اور کوئی دُوربین وہاں تک کام نہیں دے سکتی۔ زمین سے لاکھوں میل دُور ہے۔

نیز آسمان اگرچہ صاف و شفاف ہے مگر چاند اور سورج کی طرح روشن نہیں جو لاکھوں میل سے باوجود دُور ہونے کے بھی نظر آئے معلوم ہوا کہ نظر نہ آنا معدوم ہونے کی دلیل نہیں۔ نیز یہ قول فلاسفہ کے نزدیک مختلف فیہ ہے سوائے معدودے چند کے تمام حکماء اور فلاسفہ اس کے قائل ہیں کہ آسمان ایک مجسّم شئے ہے پس ایسے واہیات شبہات کی بناء پر الہامی تصریحات اور حکماء اور فلاسفہ کی اتفاقی تحقیقات اور مسلمات کو پسِ پشت ڈال دینا خلاف عقل ہے

دوسرا شبہ

یہ ہے کہ اگر آسمان ہے تو اس میں خرق والتیام ممکن نہیں۔

جواب

یہ ہے کہ آسمان میں خرق والتیام کے محال ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔ فلاسفہ کے محض قیاسات اور وہمی مقدمات ہیں۔ باقی جو خدا اپنی قدرت سے بے شمار اجزاء کو جوڑ کر اتنا بڑا جسم

(آسمان) بنا سکتا ہے وہ اپنی قدرت سے اُس کو توڑ پھوڑ بھی سکتا ہے۔ جوڑنا اور توڑنا اور پھوڑنا اس کی قدرت کے اعتبار سے سب برابر ہیں۔ رہا مسئلہ خرق و التیام کہ آسمان کا پھٹنا اور جُڑنا محال ہے۔ سو یہ تمام انسانی شریعتوں کے نزدیک باطل ہے۔ یہود اور نصاریٰ سب اس کے جواز پر متفق ہیں۔

اور حضرت ایلیاء اور حضرت عیسیٰ کا آسمان پر جانا تمام یہود اور نصاریٰ کے نزدیک مسلم ہے اگر پادری لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا اس لئے انکار کرتے ہیں کہ وہ عقلاً محال ہے تو اُن کو پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ایلیاء علیہ السلام کے رفع الی السماء کا انکار کر دینا چاہیئے۔ اور عقلاً اس لئے محال نہیں کہ آج تک حکماء نے اور ارسطو اور اس کے متبعین نے کوئی قطعی دلیل آسمان کے خرق و التیام کے محال ہونے پر قائم نہیں کی حکما نے جس قدر بھی دلائل اس بارہ میں ذکر کئے ہیں وہ سب کے سب نہایت مخدوش ہیں۔

البتہ حکماء فرنگ کے متبعین ان عیسائی مذہب والوں کو کہ جو علم ہیئت میں فیثاغورس کے نظام کے قائل ہیں اُن کو مشکل ہوگا۔ اس لئے کہ اُن کے نزدیک سرے سے آسمان ہی کا وجود نہیں تو اُن کو چاہیئے کہ واقعۂ معراج کے انکار سے پہلے حضرت ایلیا اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے عروج الی السماء کا انکار کریں۔ نصاریٰ کے نزدیک جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے آسمانوں کا خرق و التیام ممکن ہے اسی طرح محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھی ممکن ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر جانا یہ بھی معراج ہی تھا اور اگر واقعۂ معراج کا اس لئے انکار کرتے ہیں کہ وہ مستبعد اور خلاف عادت ہے تو بنارس کے ایک مسلمان گنوار نے ایک پادری کو یہ جواب دیا کہ اگر آسمان پر جانا خلاف عادت ہے تو کنواری کے پیٹ سے بے شوہر حاملہ ہونا اور پھر بچہ پیدا ہونا اس سے زیادہ بعید ہے یعنی اگر مطلق امر بعید کاذب ہوتا ہے تو تمہارے قاعدہ کے مطابق یہ واقعہ بدرجہ اولیٰ کاذب ہونا چاہیئے۔ (ماخوذ از ازالۃ الشکوک صہ ج ۱)

تیسرا شبہ

ایک جسم عنصری کا باوجود ثقیل ہونے کے اس درجہ سرعت کے ساتھ پرواز کرنا کہ آسمان پر

چلا جائے اور پھر وہاں سے لوٹ آئے یہ کیسے ممکن ہے۔

جواب یہ ہے

کہ عقلاً سرعت کی کوئی حد مقرر نہیں آج کل کی صنعتی ترقی نے اس شبہ کو لاشئی بنا دیا ہے۔ ہوائی جہازوں کی رفتار دن بدن بڑھتی جا رہی ہے معلوم نہیں کہ کس حد تک پہنچیگی۔ بندہ کو اپنی قدرت کی بھی پرواز معلوم نہیں۔ مگر خداوند قدیر کی قدرت کے متعلق قسم قسم کے شکوک اور شبہات اسکو لاحق ہیں۔ نیز قاعدہ عقلیہ ہے کہ جب دو چیزیں مل جائیں تو حکم غالب اور قوی کا ہوتا ہے۔ انجن کثیف ہے اور اس کے اندر جو بخار اور بھاپ ہے وہ لطیف ہے مگر یہ لطیف اپنی لطافت کی وجہ سے اتنا قوی ہے کہ اس کثیف کو بلا مشقت۔ نہایت سہولت کے ساتھ کھینچ کرلے جاتا ہے،

اسی طرح قیاس کیجئے کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرفتوح آپ کی جسمانیت پر غالب آجائے تو اب جسد اطہر، طیران اور پرواز میں روح کے تابع ہو جائے گا۔ اور عالم ملکوت کی سیر اُس کے لئے قابل تعجب نہ رہیگی ؎

تن او کہ صافی تر از جان ما است ، بیک لحظہ گر آمد و شد رواست

غلبۂ روح سے جو تن میں لطافت آئی ، اڑ گیا عرش سے بھی فوق یہ رفعت پائی

اور ملائکہ اور جنات کی آمد و رفت اور حضرت آدم کا ہبوط اور حضرت عیسیٰ کا رفع اور نزول قرآن اور حدیث سے ثابت ہے۔

چوتھا شبہہ

یہ ہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان گرم اور سرد طبقات ہونے کی وجہ سے یعنی کرۂ نار اور کرۂ ہوا ہونے کی وجہ سے ایک ذمی روح کا صحیح وسالم آسمان پر پہنچنا محال ہے اس لئے کہ آسمان کے نیچے ایک کرۂ نار ہے جس میں سے ایک زندہ کا بغیر جلے ہوئے صحیح سالم گذرنا محال ہے اور آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرۂ ہوا ہے اس میں سے غایت برودت کی وجہ سے گذرنا ممکن نہیں اور پھر کرۂ ہوا سے گذر جانیکے بعد بغیر سانس لئے زندہ رہنا ممکن نہیں۔

جواب

یہ ہے کہ طبقہ ناریہ کے وجود کے قائل سوائے حکماء یونان کے اور کوئی نہیں بعض فلاسفۂ اسلام کی رائے ہے کہ فلک دن رات گردش میں ہے اس مسلسل گردش سے ایک قسم کی حرارت پیدا ہوجاتی ہے جس کو یونانیوں نے کرۂ ناریہ سمجھ لیا ورنہ فی الحقیقت کوئی کرۂ ناریہ نہیں اور اگر مان بھی لیا جائے کہ کرۂ ناریہ کوئی شئی ہے تو اشیاء کے خواص اور آثار خداوند کردگار کے ہاتھ میں ہیں جس خاصیت کو چاہیں اُس کو جدا کرسکتے ہیں۔ آگ میں دو خاصیتیں ہیں ایک جلانا دوسری روشن کرنا۔ پس ممکن ہے کہ حق تعالیٰ کسی وقت آگ سے جلانے کی خاصیت سلب کرلیں اور فقط روشنی باقی رہنے دیں جیسے جاپانی پھول جھڑی یا دوسری آتش بازیاں کہ اُن میں آگ روشن ہے مگر اصلاً کسی چیز کو جلاتی نہیں پس کیا خداوند ذوالجلال کیلئے یہ ممکن نہیں کہ اپنے کسی برگزیدہ بندے کیلئے آگ کی صفت احراق کو سلب کرلے اُس کو تھوڑی دیر کیلئے برد اور سلام بنادے اور آگ میں فقط روشنی کی صفت باقی رکھے ۔

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند ، با من و تو مردہ با حق زندہ اند

۲۔ نیز آج کل ایجادات میں ایک زرہ ایجاد ہوئی ہے کہ جس کے پہن لینے سے گولی اثر نہیں کرتی۔ پس کیا خدا تعالیٰ کو یہ قدرت نہیں کہ اپنے نبی کو کوئی ایسا لباس پہنادے جس کی وجہ سے آگ کے اثر سے محفوظ رہیں ۔

۳۔ خدا کی قدرت سے سمندر کیڑا آگ میں پیدا ہوتا ہے مگر جلتا نہیں بلکہ آگ اسکے لئے آب حیات ہوتی ہے وہ آگ میں جلتا اور مرتا نہیں بلکہ آگ سے جدا ہونا اس کے لئے موت ہے۔

۴۔ سرکاری باغوں میں ایسے پودے بھی ہوتے ہیں کہ ان میں بجائے پانی دینے کے اُن کے نیچے آگ روشن کی جاتی ہے اور وہ آگ کی گرمی سے سرسبز رہتے ہیں اگر ذرا آگ کی حرارت کم ہو جائے تو وہ خشک ہو جاتے ہیں ۔

۵۔ معدہ میں ایک ناری مادہ موجود ہے کہ جو تمام غذا کو پگھلا ڈالتا ہے مگر معدہ کو نہیں جلاتا۔

معلوم ہوا کہ آگ کسی کو جلاتی ہے اور کسی کو جلاتی ہے اور اُس کی حیات کا ذریعہ ہوتی ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت سے ہو رہا ہے اور دنیا اس کا مشاہدہ کر رہی ہے پس اگر خداوند قدیر آگ کو تھوڑی دیر کیلئے اپنے کسی برگزیدہ بندہ کے جسم اطہر کی حفاظت کا ذریعہ بنادے تو کیوں محال سمجھتے ہو۔

آج کل یورپ کے بعض سائنس داں یہ کہہ رہے ہیں کہ سورج میں ایک مخلوق آباد ہے مگر ہنوز یہ ثابت نہیں ہوا کہ وہ مخلوق کس عنصر سے پیدا ہوئی ہے۔

پس جب خدا کی قدرت سے ایک ایسے گرم اور روشن کرہ (یعنی آفتاب) میں مخلوق زندہ رہ سکتی ہے تو کیا خداوند قدیر اپنے کسی برگزیدہ بندہ کو کرۂ نار سے صحیح وسالم گزار کر نہیں لے جا سکتا۔ رہا یہ امر کہ کرۂ ہوا میں بغیر سانس لئے زندہ رہنا ممکن نہیں۔ یہ بھی صحیح نہیں۔ بچّہ ماں کے پیٹ میں بغیر سانس کے مہینوں زندہ رہتا ہے اور بہت سے غواص (غوطہ زن) دریا میں غوطہ لگاتے ہیں اور گھنٹوں پانی میں رہتے ہیں اور ظاہر ہے پانی میں سانس نہیں لے سکتا

دوسرا گروہ

یہ کہتا ہے کہ واقعہ معراج جسمانی اور بحالتِ بیداری نہ تھا بلکہ ایک روحانی اور منامی چیز تھی۔ آپ بحالت بیداری اس جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر تشریف نہیں لے گئے بلکہ عالم ملکوت کی سیر یہ تمام تر حضور کا ایک خواب تھا۔

جواب

یہ کہ اگر یہ واقعہ تمام تر خواب تھا۔ تو مشرکین مکہ نے حضور پُرنور کا مذاق کیوں اُڑایا اور آپ کے ساتھ تمسخر کیوں کیا۔ اور آپ سے بیت المقدس کی نشانیاں کیوں دریافت کیں۔

نیز اگر یہ واقعہ خواب تھا تو پھر اس کو حضور کے خاص الخاص معجزات میں کیسے شمار کیا گیا خواب میں تو ابوجہل اور ابولہب بھی بیت المقدس جاکر آسکتا ہے

معجزۂ شق القمر

اقتربت الساعة وانشق القمر وان یروا آیة یعرضوا ویقولوا سحر مستمر :۔

یعنی قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا اور ان کافروں کی عادت یہ ہے کہ اگر کوئی نبوت کی نشانی اور معجزہ دیکھتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور بات ٹلانے کیلئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ جادو ہے کہ جو برابر چلا آتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ انشق ماضی کا صیغہ ہے اس کو اپنے ہی معنی پر رکھنا چاہیئے اور بمعنی مستقبل اس کو قرار دینا متعدد وجوہ سے خطا ہے۔

وجہ اول

بعض قرأت میں قد انشق القمر کلمۂ قد کیساتھ آرہا ہے اور کلمۂ قد جب ماضی پر داخل ہوتا ہے تو اس کو نصاً اور قطعاً معنی میں ماضی کر دیتا ہے اور یہ ضروری ہے کہ دونوں قرأتیں ہم معنی ہوں ۔ یہ جائز نہیں کہ ایک دوسری قرأت کے مخالف ہو۔

وجہ دوم

نیز دوسری آیت وان یروا آیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر یہ بھی اس کا قرینہ ہے کہ کفار کے یہ تکذیب اور اس کو سحر بتلانا حضور کی زندگی کا واقعہ ہے۔ حضرات انبیاء کے معجزات کو دیکھ کر کافروں نے اس کو سحر بتلایا ہے قیامت کے وقت جن خوارق کا ظہور ہوگا نہ کوئی کافر اُن کی تکذیب کر سکے گا اور نہ اُن کو سحر بتا سکے گا۔

وجہ سوم

کہ تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ انشق بمعنی ماضی ہے اور انشقاق قمر واقعہ ہو چکا ہے۔

قاضی عیاض شفاء میں لکھتے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ اقتربت الساعۃ وانشق القمر وان یروا آیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر اخبر اللہ بوقوع انشقاقہ بلفظ الماضی واعراض

الکفرۃ عن آیاتہ واجمع المفسرین واھل السنۃ علی وقوعہٖ اور بعض نے جو انشق کو مستقبل کے معنی میں لیا ہے وہ قول صحیح نہیں۔ اہل سنت والجماعت کے اجماع کے خلاف ہے۔ حضرات مفسرین محض بطور حکایت کبھی کبھی کسی ضعیف اور مردود قول کو بھی محض اطلاع کے لئے نقل کر دیتے ہیں۔ جو اہل سنت کے اجماع اور اتفاق میں خارق اور قادح نہیں ہوتا۔

ولیس کل خلاف جاء معتبرا، الا خلاف لہ حظ من النظر

الحاد پسند طبیعتیں ایسے ہی ضعیف اقوال کی تلاش میں رہتی ہیں جس طرح مکھی گندی چیزوں کی تلاش میں رہتی ہے۔

وجہ چہارم

علاوہ نص قرآنی کی احادیث صحیحہ متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ انشقاق قمر کا واقعہ عہد نبوت میں پیش آیا۔ اور بہت سے صحابہ نے اس کو روایت کیا، جیسے عبداللہ بن مسعود اور جبیر بن مطعم اور عبداللہ بن عباس اور انس بن مالک اور حذیفۃ بن الیمان وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ خلاصہ ان تمام روایات کا یہ ہے کہ ایام حج میں ایک رات کافر جمع تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تلقین و تفہیم فرما رہے تھے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ ساحر کا سحر فلکیات میں نہیں چلتا اس لئے آپ سے شق قمر کا سوال کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت سے چاند کی طرف اشارہ کیا۔ اس وقت چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ناظرین نے اس کو اپنی آنکھوں سے خوب اچھی طرح دیکھ لیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم اس پر شاہد یعنی گواہ رہو۔ اس کے بعد پھر دونوں ٹکڑے مل گئے۔ ایک یہودی جو اس مجمع میں حاضر تھا اور کفار کے مشورہ میں شریک تھا۔ وہ تو ایمان لے آیا۔ اور ابوجہل اور دیگر کفار نے کہا کہ اس نے سحر کیا ہے لیکن اس کا سحر سارے جہان پر تو چلے گا نہیں، اس لئے ہم باہر سے آنے والے مسافروں سے دریافت کریں گے، جب باہر کے مسافروں سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی اقرار کیا۔ اس پر ان کافروں نے کہا ھذا سحر مستمر۔

وجہ پنجم

شق قمر کا معجزہ تمام کفار میں مشہور تھا اور وہ اس کو حضور پُرنور کا سحر بتلاتے تھے معلوم ہوا

کہ یہ واقعہ اور اس کا وقوع اُن کے نزدیک مسلم تھا جب ہی تو اس کو سحر تبلاتے تھے۔ ورنہ جو چیز وقوع میں نہ آئی ہو اس کو سحر تبلانے کے کیا معنی معترضین اور منکرین یہ کہتے ہیں کہ شق قمر کا معجزہ ناممکن اور محال ہے۔ اس لئے کہ اجرام فلکیہ میں خرق اور التیام (پھٹنا اور جڑ جانا) ناممکن اور محال ہے نیز اگر چاند پھٹ جاتا تو دنیا میں عظیم انقلاب رونما ہوتا اور زمین تہ و بالا ہو جاتی اور سمندروں میں تلاطم اور مدوجزر پیدا ہو جاتا۔

جواب یہ ہے

کہ قدیم فلاسفہ آسمانوں میں خرق والتیام کے محال ہونے کے مدعی ہیں۔ مگر اس امر کے عدم امکان کیلئے اُن کے شبہات اور وہمی اور خیالی مقدمات پر کوئی دلیل نہیں اور حال کے ماہرین فلکیات اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ تمام اجرام کثیف ہیں اور سب میں خرق اور التیام ممکن ہے اور شہاب ثاقب انہیں اجرام علویہ میں سے ہے جس کا شکستہ ہونا اور پھر جڑ جانا روزمرہ مشاہدہ میں آتا ہے اور خدا تعالیٰ کی قدرت کے لحاظ سے زمین اور آسمان اجرام علویہ اور اجسام سفلیہ سب ایک ہی درجہ میں ہیں۔ قرآن تیرہ سو سال سے خبر دے رہا ہے کہ زمین اور آسمان دونوں پہلے متصل تھے بعد میں حق تعالیٰ نے دونوں کو جدا جدا کر دیا۔

اولم یرالذین کفروا ان السمٰوات والارض کانتا رتقا ففتقنٰھما۔

کہ آسمان اور زمین پہلے دونوں پیوستہ تھے پھر ہم نے ان دونوں کو جدا کر دیا۔

اور اہل سائنس نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے کہ ابتداءً آسمان اور زمین باہم متصل تھے، بعد میں جُدا جُدا کر دیئے گئے۔

مُعجزۂ ردّ شمس

معجزۂ شق قمر کی طرح معجزۂ ردّ شمس کو سمجھو کہ حضور پُرنور کی دعا سے آفتاب کو تھوڑی دیر کیلئے لَوٹا دیا گیا۔ تاکہ حضرت علی نماز عصر ادا کر سکیں۔

ردشمس کا واقعہ شق قمر کے واقعہ سے زیادہ عجیب نہیں۔ اس کے تسلیم کر لینے کے بعد ردشمس کے تسلیم کرنے میں کوئی دشواری نہیں۔ ردشمس میں صرف حرکت میں تغیر ہے جو فقط ایک حالت میں تغیر ہے ذات میں کوئی تغیر نہیں اور شق قمر میں ذات اور اجزاء میں تغیر ہے۔ اور حق تعالیٰ کی قدرت کے لحاظ سے ذات اور صفت میں تغیر سب یکساں ہے۔

اثبات رسالت محمدیہ

علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ والف الف تحیۃ

خداوند ذوالجلال کی حکومت اور اس کا احکم الحاکمین ہونا سب کو مسلم ہے اور جب اس کا خدا اور معبود اور حاکم مطلق ہونا مسلّم ہے تو بندوں پر اسکی اطاعت بھی لازم ہوگی اسلئے کہ اطاعت حکومت کے لوازم میں سے ہے اور خداوند ذوالجلال کی اطاعت کیسے لازم نہ ہو خصوصاً جب کہ تمام اسباب اطاعت کے اس کی ذات بابرکات میں جمع ہیں۔

(۱) وہی ہمارا خالق اور موجد ہے اسی نے ہم کو وجود عطا کیا ہے اسی کے ہاتھ میں ہمارے وجود کی باگ ہے تمام کائنات کا وجود اسی کا عطیہ اور جُود ہے

(۲) وجود کی طرح۔ تمام عالم کا نفع اور ضرر سب خداوند عالم کے قبضۂ قدرت میں ہے دھوپ اگرچہ زمین سے متصل ہے مگر دھوپ جس قدر آفتاب کے قبضۂ قدرت میں ہے اس قدر زمین کے قبضۂ قدرت میں نہیں اسی طرح مخلوقات کا وجود اور اس کے کمالات اگرچہ مخلوق سے متصل ہیں مگر جس قدر خدا تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں اسقدر مخلوقات کے قبضۂ قدرت میں نہیں۔

(۳) اور علاوہ نفع اور ضرر کے ہر قسم کا کمال اور ہر نوع کا حسن وجمال اس کی ذات بابرکات میں موجود ہے اور اس کے سوا جس کسی میں کوئی بھلائی یا خیر وخوبی یا فضل وکمال یا حسن و جمال ہے تو اسی کے کمال اور حسن وجمال کا ایک ادنیٰ پرتو ہے معلوم ہوا کہ محبوب اصلی اور مطلوب واقعی اصل میں وہی نور السموات والارض ہے اور محبوبیت اور مطلوبیت اصل میں اسی کے لئے ہے اور اس کے سوا جو کوئی محبوب اور مطلوب ہے تو اس میں اسی کی شانِ

محبوبی کا کوئی پرتوہ اور عکس ہے۔

جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی کہ مدار کار اطاعت فقط انہیں تین باتوں پر ہے۔ خالقیتِ وجود اور مالکیتِ نفع وضرر اور جمالِ محبوبیت۔ غلام اپنے آقا کی اطاعت اس لئے کرتا ہے کہ وہ اس کا مالک ہے۔ رعیت۔ اپنے بادشاہ کی اطاعت۔ بامید نفع یا اندیشہ ضرور کرتی ہے۔ اور عاشق اپنے محبوب کی تبقاضائے محبت۔ اطاعت کرتا ہے اور جب یہ تینوں باتیں خدا ہی میں حاصل ہوئیں تو ہر قسم کی اطاعت بھی خدا ہی کیلئے ہونی چاہئیے۔

اطاعت کی حقیقت

جب یہ ثابت ہوگیا کہ اصل میں ہر طرح سے خداوند عالم ہی واجب الاطاعت ہے۔ تو اب یہ سمجھے کہ اطاعت اور فرمانبرداری اور نابعداری کس کو کہتے ہیں۔ اور اس کی کیا حقیقت ہے دوسرے کی رضا اور مرضی کے موافق کام کرنیکا نام اطاعت ہے۔ خلاف مرضی کام کرنے کا نام اطاعت اور فرمانبرداری نہیں بلکہ اس کا نام معصیت اور نافرمانی ہے۔ الحاصل اطاعت کیلئے توافق ضروری ہے لیکن رضا اور عدم رضا کا حال یہ ہے کہ ہماری اور تمہاری رضا اور عدم رضا بھی بغیر بتلائے کسی کو معلوم نہیں ہوسکتی۔ تو خداوند عالم کی رضا اور عدم رضا بغیر اس کے بتلائے ہوئے کیسے معلوم ہوسکیگی، جسم انسانی سے بڑھ کر کوئی چیز ظاہر نہیں مگر اس پر بھی یہ حال ہے کہ اگر سینہ سے سینہ بھی ملادیں بلکہ دل کو چیر کر بھی سامنے رکھ دیں اور دکھلادیں۔ تب بھی دل کی بات معلوم نہیں ہوسکتی اور خداوند عالم تو سب سے زیادہ لطیف ہے اس کے دل کی بات بلا اس کے بتلائے کیسے معلوم ہوسکے گی۔

غرض یہ کہ اطاعت بغیر اس کے ممکن نہیں کہ ہم کو پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتوں کا علم ہو۔ اور حق تعالیٰ کی نسبت یہ دریافت کرنا۔ کہ وہ کن امور سے خوش ہوتا ہے اور کن امور سے ناخوش، ہر شخص کی قدرت سے باہر ہے۔ کیونکہ محض عقل سے حق جل شانہٗ کی مرضیات اور نامرضیات کا دریافت کرنا ممکن نہیں اور اگر ہم نے اپنی لولی اور لنگڑی عقل سے ایک دو بات معلوم بھی کرلی تو وہ کافی نہیں۔ اس ناقص اور ناتمام علم سے کیا کام چلتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حق جل شانہٗ ہر بات میں

ہماری عقل کے پابند نہیں ہو سکتے کیا عجب ہے کہ شان بے نیازی کی بنا پر کچھ اور حکم دیدیں معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی اطاعت بغیر اس کے ممکن نہیں کہ وہ خود اپنی رضاء اور عدم رضاء سے بندوں کو مطلع کرے۔

احکامِ خداوندی کی اطلاع کا ذریعہ

حق جل شانہٗ کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتوں اور اس کے اوامر و نواہی کی اطلاع کا ذریعہ اس کا کلام ہے کیونکہ حق تعالیٰ متکلم اور قادر علیم ہے اور اس کے متکلم ہونے کے معنی یہ ہیں، کہ بندوں میں سے اس بندہ کو جو اس کی بارگاہ میں خاص تقرب رکھتا ہو اس کو اپنی ہمکلامی اور مناجات سے سرفراز فرمائیں اور پھر وہ اللہ کا کلام اور اس کے احکام کو لوگوں تک پہونچائے۔

بادشاہان دنیا اور محبوبانِ دارِ فناء کو ہم دیکھتے ہیں کہ اس مجازی اور فانی مالکیت اور برائے نام محبوبیت کی بناء پر ہر کس و ناکس سے ہم کلام نہیں ہوتے اور نہ اُن کو مافی الضمیر کی اطلاع دیتے ہیں۔ پس خداوند ذوالجلال کی شانِ عالی کے یہ کب مناسب ہے۔ کہ وہ ہر کس و ناکس کو کو اپنی حضوری اور ہم کلامی سے باریاب فرمائے اور بغیر انبیاء و رسل کی توسط کے خود بخود بندوں کو مطلع کرے۔ پس جس طرح بادشاہوں کے احکام وزیر یا نائب السلطنت کے توسط سے رعایا کے پاس پہونچتے ہیں اسی طرح احکم الحاکمین کے احکام بندوں تک انہیں حضرات کے ذریعہ سے پہونچیں گے۔ جو اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص مقرب اور معتمد ہوں گے۔ اہل اسلام انہیں مقربین خاص اور معتمدین باختصاص کو انبیاء اور رسول اور پیغمبر کہتے ہیں۔ جن کو حق جل شانہٗ اپنے خاص ہدایات اور احکام دے کر مبعوث فرماتا ہے کہ وہ اللہ کے احکام اور پیغام بندوں تک پہونچا دیں اور پھر علماء اور فقہاء اُن کے احکام کی منادی کرتے ہیں اور اشتہار دیتے ہیں۔

نبی کی علامات

جب یہ معلوم ہو گیا کہ حضرات انبیاء کرام۔ حق جل شانہٗ کے مقرب خاص اور معتمد باختصاص

ہیں۔ اور اس کے خلیفہ اور نائب ہیں تو جس طرح سلاطین دنیا کے تقرب اور اختصاص کے لئے خاص خاص صفات اور خاص خاص کمالات کا مقرب میں پایا جانا ضروری ہے تو خداوند عالم اور شہنشاہ اعظم کے تقرب کیلئے اس سے کہیں زائد صفات اور کمالات کا ہونا ضروری ہوگا سلاطین دنیا باوجود اس فانی اور مجازی حکومت کی اپنی مسند قرب پر اُن لوگوں کو قدم رکھنے کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں دیتے۔ جو (۱) بے عقل (۲) اور کج خلق اور پست حوصلہ (۳) اور بادشاہ اور اس کی حکومت کے دشمن ہوں تو خداوند عالم کب اپنی وزارت اور خلافت کیلئے ایسے اشخاص کو منتخب کر سکتا ہے۔ کہ جن کی عقلی قوتیں کمزور ہوں اور اُن کی اخلاقی حالت پست ہو اور اُن کی وفاداری و اطاعت شعاری مخدوش یا مشکوک ہو۔

اسی طرح نبوت کو سمجھے کہ اس کا مدار تین کمالوں پر ہے۔ انبیاء کیلئے سب سے اول یہ ضروری ہے کہ وہ کمال عقل اور کمال فہم کے ساتھ موصوف ہوں۔ کیونکہ کلام خداوندی کے اسرار اور غوامض کو سمجھنا اور اس کے احکام کے دقیق اور باریک علتوں پر مطلع ہونا اور پھر دوسروں کو ٹھیک ٹھیک اُس کو سمجھانا بدوں عقل سلیم اور فہم مستقیم کے ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں کم فہمی اور بدفہمی خود ایک عیب ہے جس سے بارگاہ نبوت کا پاک اور منزہ ہونا ضروری ہے، دوم یہ کہ اخلاق حمیدہ جو اعمال حسنہ کی جڑ ہیں۔ نبی کی ذات میں فطری طور پر راسخ ہوں، تاکہ جو کام بھی وہ کریں وہ قابل اقتداء ہو اور جو فعل بھی اُن سے سرزد ہو وہ باعث ہدایت ہو۔ اعمال کا دار و مدار اخلاق پر ہے۔ جیسے اخلاق اور ملکات ہوں گے اُسی کے مناسب افعال سرزد ہونگے، سخی سے جود و کرم ظہور میں آتا ہے اور بخیل سے اعراض اور پہلو تہی وعلی ہذا۔ سوم یہ کہ نبی کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خداوند ذوالجلال کا سراپا اطاعت ہو اور اس کا ظاہر اور باطن حق تعالیٰ کا اس درجہ مطیع ہو کہ ذرہ برابر اس میں نافرمانی کی گنجائش ہی نہ ہو۔ اسی کا نام عصمت ہے

بادشاہان دنیا بھی اسی کو اپنا مقرب اور وزیر اور سفیر بناتے ہیں کہ جو اُن کا مطیع اور فرمانبردار ہو لیکن شاہان دنیا کبھی موافق اور مخالف اور مطیع اور عاصی اور مخلص اور مکار کے سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ اس لئے بعد میں اُس کو وزارت سے معزول کر دیتے ہیں مگر خداوند علیم و خبیر پر

سب کا ظاہر و باطن آشکارا ہے اور اُن کے علم میں غلطی کا امکان نہیں۔ اس لئے انبیاء کرام منصبِ نبوت سے کبھی معزول نہیں ہوتے اس لئے کہ حق تعالیٰ اسی شخص کو اپنا نبی اور مقرب بناتے ہیں کہ جس کو اپنے علمِ ازلی سے یہ جانتے ہیں کہ یہ شخص ہمیشہ ہمیشہ ظاہر و باطن میں ہمارا مطیع اور فرمانبردار رہے گا۔

دلائلِ نبوّت

عرض یہ کہ یہ تین امور نبوت کا دارومدار ہیں۔ (۱) عقل کامل (۲) اخلاق حمیدہ (۳) عصمتِ کاملہ۔ اور چوتھی چیز شریعت ہے جو نبی کو عطا کی جاتی ہے۔ شریعت۔ علم نبوت ہے۔ اور پانچویں چیز جو حضرات انبیاء کرام کو عطا کی جاتی ہے۔ وہ معجزات ہیں جو بمنزلہ سند اور دستاویز کے ہوتے ہیں اور دعوے نبوت کیلئے دلیل اور برہان ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن کریم نے جابجا معجزات کو آیات بینات اور حجۃ اور برہان کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ معجزہ اُس خارق عادت امر کو کہتے ہیں کہ جو بلا سبب ظاہری مدعی نبوت کے ہاتھ پر محض من جانب اللہ ظاہر ہو اور مخالف اُس کا مثل لانے سے عاجز اور درماندہ ہو۔ معجزہ نبی کا فعل نہیں ہوتا بلکہ محض اللہ کا فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ معجزہ کو دیکھتے ہی نبی کی صداقت اور سچائی کا ایسا یقین ہوتا ہے کہ نفس کو انکار کی طاقت اور مجال نہیں رہتی، معجزہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قہر کا ایک نمونہ ہوتا ہے جس کے غلبہ اور رعب کے سامنے کسی کا پاؤں نہیں جمتا اور اختیار کی باگ ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے اور نزاع اور جدال کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں اور دیکھنے والا بالبداہت یہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ شخص مؤید من اللہ ہے۔ پس اگر کوئی بدنصیب معجزہ دیکھنے کے بعد بھی اپنے کفر پر جما رہے تو یہ اس کا کھلا ہوا عناد اور ہٹ دھرمی ہے اور اس کے ازلی بدنصیب ہونے کی علامت ہے۔

آمدم برسرِ مطلب

نبوت ورسالت کے اس معیار کو سمجھ لینے کے بعد آنحضرت سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا ثبوت نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ اب سب سے پہلے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کامل پر غور کرنا چاہیئے (۱) دیکھا تو سب سے اول اور افضل اور اکمل پایا۔ عقل اور فہم میں اولیت اور افضلیت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی کہ آپ بذاتِ خود اُمّی تھے یعنی اَن پڑھ کسی سے ایک حرف نہ پڑھا اور نہ سیکھا اور جس ملک میں پیدا ہوئے اور جہاں ہوش سنبھالا اور عمر گذاری وہ یکلخت علوم سے خالی تھا نہ علوم دینی کا پتہ تھا نہ علوم دنیوی کا نشان نہ کوئی آسمانی کتاب نہ کوئی زمینی پورا ملک جہالتوں میں غرق تھا اول سے آخر تک کہیں علم کا نام و نشان نہ تھا ایسے ملک میں ایک اُمّی شخص ظاہر ہوا۔ اور اس نے اُن پر ایسا کامل دین اور ایسا آئین اور ایسی لاجواب کتاب اور ایسی ہدایات بینات پیش کیں جس نے عرب کے جاہلوں کو چند ہی روز میں علم الٰہیات اور علم عبادات اور علم اخلاق اور علم معاملات اور علم معاش اور علم معاد میں رشک ارسطو و افلاطون بنا دیا اور وہی اونٹ چرانے والے جاہل علم و تہذیب میں رشک حکماء عالم بن گئے اور سلسلہ علم و حکمت کا چلا جس میں ہزاروں غزالی اور رازی جیسے پیدا ہوئے اور قسم قسم کے علوم ایجاد کئے اور طویل طویل کتابیں تصنیف کیں جو اُن کے کمال علمی پر شاہد عادل ہیں۔ پس جس قوم کے فیض یافتہ اور تربیت یافتہ افراد کا یہ حال ہے تو اُن کے استاد اول اور معلم اول کا کیا حال ہوگا۔ شاگردوں کا کمال استاد کے کمال کی دلیل ہے۔ اور صحابہ کرام اور تابعین سے قسم قسم کے کمالات کا ظہور اس کی دلیل ہے کہ یہ تمام کمالات اسی اجمال کی تفصیل ہیں۔ کہ جو علوم و معارف ذات محمدی میں منطوی تھے پھر یہ کہ آپ نے سینکڑوں پیشین گوئیاں کیں جو اپنے وقت پر ہو بہو پوری ہوئیں۔ ایک اُمّی شخص کا اس قسم کی خبریں دینا یہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ حضور پُرنور کا خدائے عالم الغیب سے خاص تعلق ہے اسی کی تعلیم اور تلقین سے حضور کو ان چیزوں کا علم ہوا۔ اور اخلاق کی یہ کیفیت تھی

کہ آپ نہ کہیں کے بادشاہ تھے اور نہ بادشاہ زادے اور نہ امیر اور نہ امیر زادے اور نہ کوئی دولت و ثروت آپ کے ہاتھ میں تھی ایسے افلاس اور غربت میں ملک عرب کے گردن کشوں کو ایسا مسخر کیا کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں اپنا خون بہانے کو تیار ہوں۔ پھر یہ بھی نہیں کہ ایک دو روز کا ولولہ تھا آیا اور نکل گیا۔ ساری عمر اسی کیفیت میں گذاری۔ یہاں تک کہ انہی گردن کشوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی گھر چھوڑا باہر چھوڑا، زن و فرزند چھوڑے، مال و دولت چھوڑا، آپ کی محبت میں سب پر خاک ڈالی اور آپ کیلئے ساری دنیا سے آمادہ جنگ و پیکار ہو گئے کسی کو آپ مارا اور کسی کے ہاتھ سے آپ مارے گئے۔ یہ تسخیر اخلاق نہ تھی تو اور کیا تھی۔ کیا بزور آپ نے بزور زر حاصل کیا یا بزور شمشیر حاصل کیا ایسے اخلاق کوئی بتائے تو سہی۔ کہ کہاں تھے اور کس میں تھے اور کب تھے۔

اور عصمت اور نزاہت کی یہ کیفیت تھی کہ شب و روز عبادت میں گذرتا۔ گھر میں دو دو مہینہ تو انہ چڑھتا تھا سوائے پانی اور کھجور کے گذارہ نہ تھا مگر با اینہمہ فقر و فاقہ نماز اور روزہ اور شب بیداری اور امت کی تعلیم و تلقین اور تزکیہ اور تربیت میں ذرہ برابر کمی نہ تھی آپ کا ورع اور تقویٰ اور آپ کی امانت اور دیانت آپ کے دشمنوں میں ضرب المثل تھا۔

اور چوتھی بات یہ ہے کہ آپ نے جو دین اور شریعت دنیا کے سامنے پیش کی وہ ایسی کامل اور مکمل اور معقول اور مدلل ہے کہ جس کو دیکھ کر دنیا حیران ہے آپ نے جو دین شریعت اور بے لاجواب کتاب دنیا کے سامنے پیش کی وہ عبادات اور معاملات اور اخلاق اور تمدن اور حکمرانی اور جہانبانی کے اصول اور قواعد کو ایسی جامع اور حاوی ہے کہ آج دنیا کے بڑے بڑے حکماء اور مقننین قرآن اور حدیث جیسے قوانین اور آئین دنیا کے سامنے پیش نہیں کر سکے معلوم ہوا کہ یہ انسانی طاقت کا ساختہ اور پرداختہ نہ تھا بلکہ وحی آسمانی اور تعلیم ربانی تھی

امر پنجم

اور پانچویں چیز جو حضور پر نور کو عطا کی گئی۔ وہ معجزات ظاہرہ اور آیات باہرہ ہیں جو

روایاتِ صحیحہ اور معتبرہ اور مشہورہ و متواترہ سے ثابت ہیں یہ معجزات آپ کی نبوت و رسالت کے دلائل اور براہین ہیں۔ ہر ایک نبی کو جو معجزات دیئے گئے وہ ایک جنس یا دو جنس کے ساتھ خاص تھے اور حضور کے معجزات ہر جنس اور ہر نوع سے تھے اور اتنے کثیر تھے کہ اولو العزم اور مشہور پیغمبروں کے جس قدر بھی معجزات بیان کیئے گئے ہیں اُن کی مجموعی تعداد سے تنہا سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد زیادہ ہے۔

اور جس طرح وہ تمام کمالات جو تمام انبیاء سابقین کے ذوات مقدسہ میں پائے جاتے تھے وہ تمام کمالات حضور کی ذات میں جمع تھے۔ اسی طرح معجزات کی وہ تمام انواع و اقسام جو انبیاء سابقین کو دی گئیں۔ حضور پُر نور کے معجزات میں سب جمع تھیں

۶ - آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اثبات رسالت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلاۃ الف الف تحیۃ

بطریق دیگر

آپ کی رسالت دس وجوہ سے ثابت ہے (پہلی وجہ)، یہ ہے کہ آپ نے بہت سی پیشین گوئیاں کی ہیں کہ جو حرف بحرف پوری ہوئیں۔ صدہا تو پوری ہوگئیں اور بعض جو آخری زمانہ کے متعلق تھیں وہ پوری ہوتی جاتی ہیں بعض پیشین گوئیاں قرآن کریم میں مذکور ہیں اور بعض احادیث صحیحہ میں۔

دوسری وجہ

حضور پُر نور سے صدہا بلکہ ہزارہا معجزات صادر و ظاہر ہوئے اور جس طرح یہود اور نصاریٰ کے نزدیک حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی معجزات سے نبوت ثابت ہوئی اسی طرح معجزات سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہوئی۔

تیسری وجہ

یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے ایک جاہل اور وحشی قوم کو جو علوم عقلیہ و نقلیہ سے بالکل بے بہرہ تھی علم و حکمت میں اس کو چند روز میں رشک حکما، عالم بنا دیا اور سیاست و تدبیر میں فاتح قیصر و کسریٰ بنا دیا جس کی کسی بڑے سے بڑے دشمن کو بھی مجال انکار نہیں۔

چوتھی وجہ

یہ ہے کہ اہل کتاب باوجود اس کے کہ وہ اپنی کتب مقدسہ میں گڑبڑ کے قائل تھے۔ پھر بھی اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کی بشارتیں اور صفتیں پاتے تھے اور ان کو دیکھ کر حضور پُر نور پر ایمان لاتے تھے اور اقرار کرتے تھے کہ یہ وہی نبی ہیں کہ جن کی حضرت موسیٰ و عیسیٰ نے بشارت دی تھی نصاریٰ نے انجیلی بشارتوں میں بہت کچھ تاویلیں کیں۔ مگر انجیل برنا باس اس درجہ صریح ہے کہ اس میں کسی طرح تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ملی۔

پانچویں وجہ

یہ ہے کہ حضور پُر نور بالکل امی تھے۔ نہ کسی سے کچھ علم پڑھا اور نہ کسی عالم کی صحبت اٹھائی چالیس برس اسی طرح گذر گئے کہ آپ نے نبوّت کا دعویٰ کیا اور ایک لاجواب کتاب یعنی قرآن کریم دنیا کے سامنے پیش کی اور یہ کہا کہ یہ اللہ کا کلام ہے، اگر تم کو اس کے کلام الٰہی ہونے میں کچھ شبہ ہے تو تم بھی اس کے مثل ایک سورت ہی بنا لاؤ۔ مگر عالم کے فصحاء اور بلغاء اس کے مثل لانے سے عاجز رہے اور اس کے ساتھ اپنے ارشادات اور ملفوظات اور کلمات طیبہ کا ایک مجموعہ دنیا کے سامنے پیش کیا جس کو شریعت محمدیہ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جو عقائد حقہ اور صحیحہ اور اخلاق فاضلہ اور عبادات اور معاشرات اور معاملات اور سیاسیات ملکیہ اور مدنیہ کا وہ عجیب و غریب ذخیرہ ہے، کہ دنیا کی متمدن اور مہذب قومیں اس کی گرد کو نہیں پہونچتیں۔

چھٹی وجہ

یہ ہے کہ بہت سے حالات اور صفات حضور پُر نور کے بدن مبارک میں ایسے موجود تھے کہ اُن سب کا ایک ذات میں مجتمعاً پایا جانا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ ذات کاملۃ الصفات اور

فاضلۃ الحالات بارگاہ خداوندی میں نہایت ہی مقرب اور مورد الطاف وعنایات ہے۔
(۱) مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا سایہ نہ تھا۔ رواہ الحکیم الترمذی عن ذکوان مرسلاً ورواہ ابن المبارک وابن الجوزی عن ابن عباس موصولا زرقانی شرح مواھب ص ۲۲۰ ج ۴ وخصائص الکبری ص ۶۸ ج ۱
(۲) اور یہ کہ آپ کے بدن مبارک پر مکھی نہ بیٹھتی تھی اور آپکو مچھر نہیں کاٹتا تھا۔ (خصائص الکبری ص ۶۸ ج ۱)
(۳) اور یہ کہ آپ کے کپڑوں میں جوں نہیں پڑتی تھی۔
(۴) اور یہ کہ آپ مختون اور ناف بریدہ پیدا ہوئے۔ اخرجہ الطبرانی وابو نعیم وغیرہما خصائص ص ۵۳ ج ۱
(۵) اور یہ کہ سوتے وقت آپ کا دل بیدار رہتا تھا اور سونے کی حالت میں وہی ادراک باقی رہتا تھا کہ جو بیداری کے وقت میں تھا۔ (رواہ البخاری ومسلم)
(۶) آپ پیچھے سے ویسا ہی دیکھتے جیسا کہ آگے سے۔ (رواہ البخاری ومسلم)
(۷) اور یہ کہ آپ کو کبھی احتلام نہیں ہوا۔ (کما اخرج الطبرانی عن ابن عباس ما احتلم نبی قط وانما الاحتلام من الشیطان۔ خصائص الکبری ص ۷۰ ج ۱)
(۸) اور یہ کہ آپ کا پیشاب یا پاخانہ جب زمین پر گرتا تو زمین اس کو نگل جاتی اور کسی نے زمین پر آپ کا پیشاب اور پاخانہ نہیں دیکھا۔ اور اس جگہ سے مشک کی بو آتی تھی۔ (اس روایت کو بیہقی اور دار قطنی اور حکیم ترمذی اور حاکم وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ تفصیل کیلئے زرقانی شرح مواھب از ص ۲۲۷ ج ۴ تا ص ۲۳۴ ج ۴ ملاحظہ کریں۔ نیز شرح شفاء للعلامۃ القاری از ص ۱۵۹ ج ۱ تا ص ۱۶۵ ج ۱ دیکھیں
(۹) اور یہ کہ آپ کو کبھی جمائی نہیں آئی (خصائص الکبری ص ۶۵ ج ۱) اور نہ آپ نے کبھی قہقہہ لگایا۔ (زرقانی ص ۱۷۹ ج ۴ تا ص ۱۸۲ ج ۴)
(۱۰) جب آپ کسی مجمع میں ہوتے تو اگرچہ اس مجمع میں کتنے ہی قد آور موجود ہوں مگر حضور پُر نور ہی سب سے زیادہ بلند نظر آتے۔ (خصائص کبری ص ۶۸ ج ۱) (فتلک عشرۃ کاملہ)
ظاہر ہے کہ جس ذات بابرکات میں یہ صفات خارقہ موجود ہوں گی، دیکھنے والا بالبداہت اس امر کے یقین پر مجبور ہو گا۔ کہ یہ ذات ستودہ صفات خداوند ذوالجلال کی پسندیدہ اور برگزیدہ ذات ہے۔ جس کو خدا تعالے نے اس خاص شان خدیت اور خاص صفت پر پیدا کیا ہے۔ صورت اگرچہ بشری ہے۔ مگر فطرت اور مزاج اور طبیعت ملکی ہے اور حدیث

ہیں آیا ہے کہ انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ کی پیدائش اہل جنت کے ارواح کی صفت پر ہوتی ہے

ساتویں وجہ

کہ آپ کا مستجاب الدعوات ہوتا ہے۔ جس شخص کی نسبت آپ کی زبان مبارک سے کوئی کلمہ۔ دعا یا بددعاء کا نکل گیا۔ وہ بالکل ویسے ہی ہو کر رہا۔ جس میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ دشمن جب کبھی آپ کی زبان سے کوئی کلمہ بد دعاء سُن لیتے تو گھبرا اُٹھتے اور یقین کر لیتے کہ اب ایسا ہی ہو کر رہے گا۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس قسم کے معجزات کیلئے خصائص الکبریٰ میں ایک مستقل باب لکھا ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔

آٹھویں وجہ

یہ ہے کہ بہت سے کاہنوں وغیرہ کو جنگلوں اور بیابانوں سے ایسی آوازیں سنائی دیں یہ ایک نبی برحق مبعوث ہوئے ہیں اُنہی کی متابعت میں نجات ہے۔

نویں وجہ

یہ ہے کہ شجر اور حجر سے ایسی آوازیں سنائی دیں کہ جن میں آپکی نبوت کی گواہی اور آپ پر سلام تھا اور ایک بار حضور پر نور نے درخت کو بُلایا تو حسب الحکم حاضر ہوگیا اور جب واپسی کا حکم دیا تو واپس ہو گیا۔

دسویں وجہ

یہ ہے کہ بارہا حیوانات نے آپ کی نبوت کی گواہی دی۔ غیبی آوازوں اور شجر و حجر اور حیوانات کی گواہی کے واقعات شیخ جلال الدین سیوطی کے خصائص الکبریٰ میں مفصل مذکور ہیں وہاں دیکھ لئے جائیں۔

علاماتِ نبوّت

علماء بنی اسرائیل میں یہ بات مسلّم تھی کہ آخیر زمانہ میں ایک نبی ظاہر ہو گا کہ جس کا دین تمام ادیان سے بہتر ہو گا اور اس کی شریعت جملہ شرائع کی ناسخ ہو گی۔ یہ تمام باتیں آپ کے دعوے کی حجت تھیں اور اہل کتاب کو اس کا بخوبی علم تھا اور آپ کے ظہور سے پہلے

ان اشارات کو نقل کرتے تھے مگر آپ کے ظہور کے بعد آپ کے دشمن ہو گئے حالانکہ پہلے سے یہ گواہی دیا کرتے تھے کہ مکہ سے نبی آخر الزمان کے ظہور کا زمانہ قریب آگیا ہے۔

اور اسی طرح آپ کے ایام ولادت کے قریب زمانہ میں عجیب و غریب نشانات ظاہر ہوئے جیسا کہ ابابیل کی کنکریوں سے اصحاب فیل کا ہلاک ہونا اور بتوں کا اوندھے منہ زمین پر گرنا اور بحیرہ ساوہ کا پانی خشک ہو جانا اور ایوان کسریٰ کے چودہ کنگروں کا گر جانا اور کاہنوں کا اس امر پر اس پر اتفاق کرنا کہ عنقریب اس عالم میں کوئی عظیم حادثہ ظہور پذیر ہونے والا ہے اور جنات کا آسمانی خبروں سے روک دیا جانا وغیرہ وغیرہ اور جو معجزات آپ سے بعد دعوائے نبوت ظاہر ہوئے وہ حد احصاء اور شمار سے باہر ہیں مثلاً شق قمر اور سلام شجر و حجر اور سنگریزوں کا آپ کے ہاتھ میں تسبیح پڑھنا اور انگشتان مبارک سے پانی کا جاری ہونا اور ایک لشکر کا اس سے سیراب ہو جانا اور ستون حنانہ کا رونا اور تمام حاضرین جمعہ کا اس کے رونے کو سننا اور قلیل طعام کا آپ کی دعا کی برکت سے ایک لشکر کو کافی ہو جانا اور ایک قسم معجزات کی یہ ہے کہ آنحضرت نے زمانہ آیندہ کی خبریں دیں کہ فلاں وقت ایسا کام ہوگا اور وہ ویسا ہی ہوا، جیسے آپ نے مکہ اور یمن اور شام اور عراق کی فتح کی خبر دی اور اسی ترتیب سے مقامات مذکورہ فتح ہوئے۔

معجزۂ قرآن

حضور پر نور کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ قرآن شریف کا ہے۔ جو اللہ جل شانہٗ کا کلام قدیم ہے اور اس کی صفت قدیمہ ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔

دیگر حضرات انبیاء کرام کے معجزات گذر گئے مگر آنحضرت کا یہ معجزہ یعنی قرآن ہنوز اسی طرح باقی ہے گویا دنیا ہر وقت آپ کے معجزہ اور آپ کی نبوت کا مشاہدہ کر رہی ہے قرآن شریف کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ قرآن نے دعویٰ کیا کہ اگر تم کو اس کے کلام الٰہی ہونے میں شک ہے اور تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ کلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا بنایا ہوا ہے تو تم بھی اس کے مثل اور مانند ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت بنا لاؤ مگر اس زمانہ سے لیکر آج تک کوئی اس کا جواب نہ دے سکا۔ حالانکہ قرآن کے کلمات اور الفاظ اور حروف سب وہی ہیں جس کو عرب کے چھوٹے اور بڑے سب جانتے تھے اور بولتے تھے مگر اس کی مثل لانے سے عاجز رہے جس طرح اصلی گلاب کے پھول اور کاغذی گلاب کے پھول میں یہی فرق ہے کہ اصلی گلاب کی مانند کوئی نہیں بنا سکتا اور کاغذی کے مانند بنا سکتا ہے۔ اسیطرح کلامِ یزدانی اور کلامِ انسانی میں بھی یہی فرق ہے کہ کلام خداوندی ایسا کوئی نہیں لا سکتا۔

قدرتی اور مصنوعی چیزوں کا فرق سب کو معلوم ہے قدرتی چیز وہ کہلاتی ہے کہ جو محض خدا تعالےٰ کی قدرت سے ظاہر ہو اور اس کا بنانا تمام مخلوق کی قدرت سے باہر ہو۔ جیسے آسمان اور زمین اور شمس و قمر اور کواکب و نجوم کا پیدا کرنا اور دن اور رات کا لانا یہ سب اللہ کے فعل ہیں۔ فقط اللہ ہی کی قدرت سے ظاہر ہوتے ہیں اور بندہ کی قدرت سے باہر ہیں اور ساری مخلوق اس کی مثل لانے سے عاجز ہے اور مصنوعی چیز وہ ہے جو بندہ کی بنائی ہوئی ہو اور دوسرا بندہ بھی اس جیسی چیز بنانے پر قادر ہو جیسے مکان بنانا یہ بندہ کا فعل ہے اور زمین اور آسمان کا پیدا کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ یہی وجہ سے حضرت ابراہیم نے اولاً نمرود کے مقابلہ میں وجودِ باری تعالیٰ پر اسی طرح استدلال کیا ربی الذی یحیی ویمیت اور جب نمرود نے اس پر ایک احمقانہ سوال کیا تو یہ فرمایا۔ ان اللہ یأتی بالشمس من المشرق فأت بھا من المغرب فبھت الذی کفر یعنی میرا رب آفتاب مشرق سے نکالتا ہے تم بھی اگر رب ہو اور خدا کے مقابلہ کی طاقت رکھتے ہو تو آفتاب کو بجائے مشرق کے مغرب سے نکال کر دکھلاؤ۔ یہ استدلال سن کر کافر مبہوت اور حیران رہ گیا۔ حضرت ابراہیم کے استدلال کا حاصل یہ تھا کہ قدرتی کام اور فعل خداوندی کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

پس جس طرح خدا کے فعل اور مخلوق کے فعل میں یہ فرق ہے کہ خدائی کام کرنے سے ساری مخلوق عاجز ہوتی ہے ٹھیک اسی طرح کلام خداوندی اور کلام انسانی میں یہ فرق ہے۔ کہ کلام خداوندی وہ ہے کہ ساری دنیا اس جیسا کلام بنانے سے عاجز اور درماندہ ہو۔

قرآنِ کریم دلیلِ نبوّت کس طرح بنا؟

جب یہ ثابت ہوگیا کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ ظاہر اور مسلّم ہے کہ یہ قرآن اور یہ کلام خداوندی سرورِ عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تو ثابت ہوگیا کہ حضور پر نور اللہ کے رسول برحق ہیں اس لئے کہ جس پر اللہ کا کلام اور اس کی کتاب اور اُس کا پیغام اترے وہ بلاشبہ اللہ کا نبی اور رسول ہے۔

اور عجیب بات ہے کہ قرآن کریم علم نبوت بھی ہے اور دلیل نبوت بھی ہے۔ یہی دعوائے نبوت ہے اور یہی دلیل نبوّت ہے۔ جس نبی کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور دعوتِ حق کیلئے مامور فرمایا تو حجت دعوے کیلئے بطور حجت اُن کو معجزہ عطا فرمایا۔ گویا کہ دعوت اور حجت دونوں جدا جدا تھیں مگر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے قرآن کریم میں دعوت اور حجت دونوں کو جمع کر دیا گیا۔ قرآن کریم باعتبار معنی کے دعوت ہے اور فصاحت اور بلاغت کے اعتبار سے معجزہ ہے اور دلیلِ نبوت اور حجت دعوت بھی ہے یہ قرآنِ کریم کی خصوصیت ہے کہ اس میں دعوت اور حجت اور دعویٰ اور دلیل دونوں جمع ہیں اور یہ دونوں باتیں قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی۔ اور اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال علم وفہم اور اخلاقِ حسنہ اور پاکیزہ خصلتوں اور پسندیدہ عادتوں اور آپ کی طہارت و نزاہت میں ذرا غور کرو تو یقین کامل ہو جائے کہ حضور پرنور کا وجود ہی سر سے پیر تک ایک مستقل معجزہ اور قدرتِ خداوندی کی ایک نشانی ہے

هر جلوهٔ جمال ترا نازِ دیگر است | هر نغمهٔ کمال ترا سازِ دیگر است
اعجازِ حسن را بسخن نیست احتیاج | هر غمزهٔ ز چشم تو اعجازِ دیگر است

کیونکہ ایک امی شخص کا بغیر کسی سے تعلیم و تربیت حاصل کئے ایسا منبع علم و حکمت اور معدنِ اخلاق اور پیکرِ اعمال فاضلہ بن جانا کہ جو صدیوں کی تہذیب و تربیت کے بعد بھی حاصل نہ ہوسکے کہ بس یہ علم و حکمت اور یہ امانت و دیانت اور یہ زہد تقویٰ اور یہ بے مثال

عبادت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ سب کچھ تعلیم ربانی اور تربیت یزدانی کا کرشمہ ہے۔ اس لئے آپ کی ذاتِ بابرکات کہ جو سرچشمۂ کمالات و خیرات تھی بجود ایک مستقل معجزہ تھا اور قرآن کریم حضور پُرنور کا علمی معجزہ تھا اور شق قمر اور سلام شجر و حجر اور انگشتان مبارک سے چشمہ کا جاری ہو جانا وغیرہ وغیرہ یہ آپ کے عملی معجزات تھے۔

تتمۂ بحث نبوّت

اور

عقیدۂ وجود ملائکہ

اب ہم بحث نبوت کو ختم کرتے ہیں اور بطور تتمہ اور تکملہ عقیدۂ وجود ملائکہ کو مختصراً بیان کرتے ہیں اس لئے کہ نبوت و رسالت کا دارو مدار وحی پر ہے اور وحی کا نزول فرشتہ کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً ملائکہ کے متعلق کچھ عرض کر دیا جائے سو جاننا چاہیئے کہ ملائکہ پر ایمان لانا اسلام کے اصولی عقائد میں سے ہے۔ قرآن کریم میں جا بجا ایمان باللہ کے بعد ایمان بالملائکہ کو ذکر فرمایا ہے۔

جمہور اہل اسلام کے نزدیک فرشتہ ایک ایسے جسمِ لطیف یا جسم نورانی کا نام ہے کہ جو نہ مرد ہے اور نہ عورت اور افعال قویہ پر قادر ہے اور ہر صورت میں ظاہر اور نمودار ہو سکتا ہے اور کھانے اور پینے سے جو عوارض پیدا ہوتے ہیں مثلاً بھوک اور پیاس اور پیشاب اور پاخانہ اور توالد و تناسل ان سے بھی پاک ہوتے ہیں۔ بلکہ صفاتِ بشریہ جیسے غضب اور حسد اور تکبر اور حرص و طمع وغیرہ سے بھی پاک ہوتے ہیں۔ ہر وقت اللہ کی عبادت اور تسبیح میں مصروف رہتے ہیں کسی وقت تھکتے نہیں یسبحون لہ' بالیل والنھار وھم لایسأمون۔ اور کسی حکم میں ذرہ برابر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔ لا یعصون اللہ ما امرھم و یفعلون ما یؤمرون۔

اثبات وجود ملائکہ

فرشتوں کا وجود عقلاً اور نقلاً دونوں طرح ثابت ہے۔ عقلی دلیل تو یہ ہے کہ کائنات کے تنزلی اور عروجی مدارج میں غور کرنے سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ کائنات کی ایک خاص نوع باقی ہے جو ہمارے مشاہدہ میں نہیں آئی۔

کائنات کا ادنیٰ ترین مرتبہ جمادات ہیں اور پھر نباتات اور پھر حیوانات اور پھر انسان اس لئے کہ انسان ان تمام کائنات سے شعور اور ادراک میں بڑھا ہوا ہے جو ایک امر لطیف ہے اسی لطافت علمی کی وجہ سے تمام کائنات پر فرمانروائی کر رہا ہے مگر عقل کہتی ہے کہ ہنوز اس کے قوائے ادراکیہ اور علمیہ محدود ہیں لہٰذا ایک مخلوق اور ہونی چاہیئے کہ جو دائرۂ امکان میں علم اور ادراک کا منتہی ہو۔ وہ مخلوق فرشتوں کی ہے کہ جن کی غذا تسبیح و تہلیل ہے۔

اور بعض مرتبہ یہ انسان ضعیف البیان جب فرشتوں جیسی اطاعت اور فرمانبرداری اور راہ مولیٰ میں جان نثاری دکھلاتا ہے تو اس کو بھی من جانب اللہ زمرۂ ملائکہ میں داخل کر لیا جاتا ہے، جیسے حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جعفر بن ابی طالب کو دیکھا کہ وہ دو پروں کے ساتھ فرشتوں کے ساتھ جنت میں اڑتے پھرتے ہیں، اور قرآن کریم کی اس آیت فادخلی فی عبادی میں اسی طرف اشارہ ہے۔ ڈارون کے نزدیک جب انسان ترقی کر کے بندر سے انسانیت پر پہونچ سکتا ہے تو انسانیت سے ترقی کر کے ملکیت تک کیوں نہیں پہونچ سکتا جو ارتقاء کی آخری منزل ہے۔

دلیل نقلی

اور نقلی دلیل حضرات انبیاء کرام کا مشاہدہ اور اولیاء کرام کا مکاشفہ ہے کہ انہوں نے

اپنے مشاہدہ اور مکاشفہ میں اس نورانی مخلوق کو دیکھا ہے۔
اور راستبازوں اور پاکبازوں کا کسی چیز کے متعلق اپنا مشاہدہ اور مکاشفہ بیان کرنا یہ اس امر کے وجود کیلئے قطعی دلیل ہے اور کسی چیز کا محض مشاہدہ نہ ہونے کی بناء پر انکار یا نفی باجماع عقلاء قطعاً غلط اور مہمل ہے۔ عدالت میں بینا کا بیان اور شہادت معتبر ہے اور نابینا کا انکار قابل سماعت نہیں۔

وجودِ ملائکہ پر فلاسفہ کے شبہات اور اُنکے جوابات

فلاسفۂ حالی۔ چونکہ وجود ملائکہ کے قائل نہیں۔ اس لئے ہم اُن کے شبہات مع جوابات کے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

شبۂ اوّل

فرشتوں کے متعلق فلاسفہ کا ایک شبہ یہ ہے کہ اگر موجود ہیں تو ہم کو نظر کیوں نہیں آتے

جواب

۱ یہ ہے کہ فرشتے بوجہ لطافت کے نظر نہیں آتے۔ ایک شیشہ میں صاف و شفاف ہوا بھری ہوئی ہوتی ہے مگر لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی۔ نظر نہ آنے کیوجہ سے کوئی فلسفی ہوا کا انکار کر سکتا ہے۔
۲ فلاسفۂ حال اسبات کے قائل ہیں کہ یہ تمام عالم ایک غیر محسوس مادہ سے بھرا پڑا ہے جس کو ایتھر کہتے ہیں
۳ نیز بہت سے اجرام ہوائی ایسے ہیں کہ جو آلات کے ذریعہ محسوس ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ امر ممکن ہے کہ کوئی چیز واقع میں موجود ہو مگر ہم آلات نہ ہونے کی وجہ سے اس چیز کو نہ دیکھ سکیں

کھانے میں اگر سنکھیا اور زہر ملا دیا جائے تو بسا اوقات وہ اتنا قلیل ہوتا ہے کہ انسان اس زہر کو نہ قوتِ باصرہ سے محسوس کر سکتا ہے اور نہ قوتِ شامہ سے مگر بندر اُس کو سونگھ کر پہچان لیتا ہے نیولا تو دیکھ کر ہی پہچان لیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ حق تعالیٰ نے اُن کا ادراک اور احساس انسان کو تو عطا نہیں فرمایا بلکہ ایک دوسری کمتر مخلوق کو اس کا ادراک عطا فرمایا ہے۔ تو کیا اس اسی طرح یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا ادراک اور احساس صرف حضرات انبیاء کرام کو عطا کیا ہو اور عام انسانوں کو فرشتوں کے ادراک اور احساس سے محروم رکھا ہو۔

بلکہ

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض جانوروں کو یہ احساس دیا گیا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ مرغ فرشتہ کو دیکھ بولتا ہے اور گدھا شیطان کو دیکھ کر بولتا ہے۔

شہد کی مکھی کبھی راستہ نہیں بھولتی یہ قوتِ حافظہ انسان کو نہیں دی گئی۔

چیونٹی سوراخ کی گہرائیوں میں سے مٹھائی کی خوشبو محسوس کر لیتی ہے۔ یہ اس کی قوتِ شامہ ہے جو انسان کو نہیں دی گئی۔

بندر اور بہت سے حشرات الارض اندھیرے اور اُجالے میں یکساں دیکھتے ہیں۔

ریڈیو کے ذریعہ ہزاروں میل کی آوازیں سنائی دیتی ہیں جو بغیر ریڈیو کے نہیں سنائی دے سکتیں اب جس شخص کے پاس ریڈیو نہ ہو اور وہ ہزاروں میل کی آواز سنائی دینے کا انکار کرے تو تو فلاسفۂ حال بتلائیں تو اس انکار کا کیا حکم ہے

دوسرا شبہ

یہ ہے کہ فرشتے ایسے قوی تصرفات پر کیسے قادر ہوئے جن کا ذکر قرآن اور حدیث میں آتا ہے۔ جیسے کسی فرشتہ یا جن کا طرفۃ العین (پلک جھپکنے) میں تخت بلقیس کو سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا کر رکھ دینا یا فرشتوں کا آسمان سے زمین پر اترنا اور پھر اُن کا واپس ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔

جواب

یہ ہے کہ فرشتے غایت درجہ لطیف اور نورانی ہیں اور لطیف اور نورانی شئی کی تاثیر بھی نہایت قوی ہوتی ہے۔ آگ اور بھاپ اور بجلی اور پانی کی طاقتوں کا حال دنیا کی نظروں کے سامنے ہے جس کا انکار کسی کو ممکن نہیں اور اس کے مقابلہ میں عنصر خاکی کو لے لیجئے جس کی ان عناصر کے سامنے کوئی حقیقت نہیں۔ آپ ہی بتلائیں کہ ان عناصر میں سوائے لطافت اور کثافت کے کیا فرق ہے۔ بجلی کے کرشمے آج دنیا کے سامنے ہیں پس قوم ثمود کا فرشتہ کے چیخ مارنے سے کلیجے پھٹ کر مرجانا کیوں مستبعد سمجھتے ہو۔

بارود کو دیکھئے کہ ظاہر میں کچھ نہیں مگر ذرا آگ لگے تو اتنی قوت آجاتی ہے کہ پہاڑوں کو بھی اڑا کر رکھ دیتی ہے۔ بھاپ اپنی لطافت کی وجہ سے ایک پوری ٹرین کو صدہا اور ہزارہا میل کھینچ کر لے جاتی ہے۔

اور بجلی کی قوت سے جر ثقیل کے آلات بڑے بڑے جہازوں کو اوپر اٹھا لیتے ہیں تو اگر کوئی خدا کا فرشتہ خداداد قوت سے قوم لوط کی بستیوں کو اٹھا کر اوپر لے جائے اور الٹا کردے، تو کیوں انکار کرتے ہو۔ اور خدا کا کوئی فرشتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھا کر لیجائے تو اس کو کیوں محال سمجھتے ہو؟

تیسرا شبہ

فرشتوں کا مختلف شکلوں کے ساتھ متشکل ہونا آیات اور احادیث سے ثابت ہے۔ اور عقلاً شئی واحد کا مختلف اشکال کے ساتھ متشکل ہونا غیر معقول ہے۔

جواب

یہ ہے کہ لطیف شئی کا مختلف شکلوں کے ساتھ متشکل ہونا آج کل بھی مشاہدہ سے ثابت ہے۔ مادۂ اثیریہ (ایتھر) کا مختلف شکلوں اور صورتوں میں نمودار ہونا اہل سائنس کے نزدیک مسلمہ ہے

اسلام کی تیسری اصل

قیامت اور عالم آخرت

قیامت اور روز آخرت پر ایمان لانا دین اسلام کے قطعی اصول اور عقائد سے ہے۔ حضرات انبیاء کرام نے توحید کے بعد دنیا کو روز آخرت سے آگاہ کیا ہے کہ ایک وقت آنے والا ہے۔ کہ کارخانہ عالم درہم وبرہم کر دیا جائے گا۔ اور مرنے اور بدنوں کے ریزہ ریزہ ہو جانیکے بعد اللہ تعالیٰ دوبارہ اُن کو زندہ کرے گا۔ اور ہر جسم کے ساتھ اُس کی روح کا دوبارہ تعلق پیدا کرے گا۔ اور اس طرح سے اُن کو دوبارہ زندہ کرکے سب سے پہلے اُن کے اعمال کا حساب لے گا اور دنیا میں جو کچھ کیا ہے اس پر بازپرس ہوگی اور اعمال کے مطابق جزاء اور سزاء ملے گی۔ اور پھر کسی کو جنت میں اور کسی کو جہنم میں داخل کرے گا۔ تمام ادیان حقہ اور مذاہب سماویہ اس پر متفق ہیں۔ اور قرآن کریم میں حق جل شانہ نے بار بار خدا تعالیٰ پر ایمان لانے کے ساتھ آخرت پر ایمان لانے کا ذکر فرمایا ہے۔ بلکہ مذہب کی ضرورت معادہی کے خیال پر مبنی ہے۔ کہ اس دنیائے فانی سے گذر جانے کے بعد کیا ہوگا۔ اور آیا اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی بھی ہے۔ جن لوگوں کا یہ خیال تھا اور جن کا ہے۔ ان ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیٰ وما نحن بمبعوثین۔

اُن کو نہ مذہب کی ضرورت ہے اور نہ قیامت اور جزاء اور سزاء کی بحث میں پڑنے کی ضرورت ہے۔

دین اسلام کا عقیدہ یہ ہے

کہ اس موجودہ زندگی کے بعد ایک زندگی آنے والی ہے اور اصل زندگی وہی ہے۔

موجود حقیقی خداوند ذوالجلال ہے اس کے دریاءِ قدرت اور ارادہ کی موج نے ممکنات کو پردۂ عدم سے نکال کر اس عالم ہستی میں پہونچایا جس کو دنیا کہتے ہیں۔ اور جس کی حقیقت سوائے نمود بے بود کے کچھ نہیں۔ اور پھر ایک دن آئے گا کہ اسی دریائے ارادہ کی ایک موج سب کو فناء اور موت کے گھاٹ اتار دے گی۔ اسی کا نام قیامت ہے۔ کہ یکبارگی تمام عالم فناء کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ اور پھر بعد چندے دریائے ارادہ کی ایک تیسری موج آئے گی کہ تمام ممکنات کو عدم اور فنا کے گڑھے سے نکال کر وجود اور حیات کی سطح پر لا کر کھڑا کر دیگی جو اس کی موج ارادہ کا ایک نیا کرشمہ اور نیا تماشہ ہوگا۔ وان الی ربك المنتہیٰ کل الینا راجعون۔ اسی کو اصطلاح شریعت میں حشر کہتے ہیں۔

منکرین حشر

فلاسفہ تو مطلقاً حشر کا انکار کرتے، حشر خواہ جسمانی ہو یا روحانی ہر قسم کے حشر کے منکر ہیں۔

ملاحدہ اور زنادقہ جو ظاہر میں اسلام کے مدعی ہیں وہ حشر جسمانی کے منکر ہیں۔ اور حشر روحانی کا اقرار کرتے ہیں۔ اُن کا قول یہ ہے کہ آخرت ایک عالم روحانی ہے اور جنت کی نعمتیں اور جہنم کی مصیبتیں بھی محض روحانی ہیں، جسمانی نہیں اور صریح آیات اور احادیث میں طرح طرح کی تاویلیں کرتے ہیں۔ اور جو کچھ کہتے ہیں وہ تاویل نہیں بلکہ تحریف ہے اس لئے کہ صریح اور واضح المراد کلام میں تاویل کرنا انکار اور تمسخر کے مرادف ہے۔

فلاسفہ۔ یہ کہتے ہیں۔ کہ انسان اس ہیکل محسوس کا نام ہے جو عناصر اربعہ اور خاص قویٰ اور مزاج سے مرکب ہے۔ مرنے سے یہ ہیکل محسوس فنا ہو جاتا ہے۔ اور سوائے اجزاء متفرقہ اور منتشرہ کے کچھ باقی نہیں رہتا۔ لہذا کوئی چیز ایسی نہیں رہتی کہ جس کا اعادہ ہو سکے اور اس کو حشر سے تعبیر کر سکیں۔

جواب

جواب یہ ہے کہ انسان اس ھیکل محسوس اور جسم خاکی کا نام نہیں بلکہ وہ ایک جوہر مجرد کا نام ہے جو علم ادراک اور قدرت اور اختیار کے ساتھ موصوف ہے۔ جس کو روح سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ ھیکل محسوس اور پیکر جسمانی اس جوہر مجرد کا قالب اور لباس ہے۔ مرنے سے اس جوہر مجرد کا تعلق اس پیکر جسمانی سے منقطع ہو جاتا ہے لیکن وہ جوہر مجرد فنا نہیں ہو جاتا۔ بلکہ ایک دوسرے عالم میں چلا جاتا ہے۔ اور یہ پیکر جسمانی اگرچہ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جائے۔ مگر اس جوہر مجرد کا معنوی اور مخفی طور سے اس پیکر جسمانی کا اجزاء کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے۔

پس جس طرح حق جل شانہ نے اپنے ارادہ اور اختیار سے پہلی مرتبہ اس جوہر مجرد (روح) کو بدن کے ساتھ متعلق کرکے بدن میں حیات پیدا فرمائی۔ اسی طرح وہ اپنی قدرت اور مشیت سے ان بدنوں کے فناء اور منتشر ہو جانے کے بعد پھر ایک مرتبہ اس کے اجزاء منتشرہ کو جمع کریگا اور دوبارہ ارواح کا ان بدنوں کے ساتھ تعلق قائم کرکے ان کو دوبارہ حیات زندگی عطا فرمائے گا۔

کفار مکہ بھی بعث (دوبارہ زندگی) کے منکر تھے۔ اور آج بھی کہتے تھے۔ کہ آدمی مرکر فناء ہو جاتا ہے اور جب مرکر نیست اور نابود ہو گیا تو دوبارہ زندگی کے کیا معنی۔

وقالوا اذا ضللنا فی الارض ائنا لفی خلق جدید بل ہم بلقاء ربہم کافرون۔

یعنی کفار یہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مرکر زمین میں مل مل جائیں گے اور بالکل گم اور فناء ہو جائینگے تو کیا از سر نو ہم پیدا ہونگے

حق جل شانہ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ

قل یتوفاکم ملک الموت الذی وکل بکم ثم الی ربکم ترجعون۔

آپ اُن کے جواب میں یہ کہہ دیجئے۔ کہ موت فناء اور عدم کا نام نہیں۔ بلکہ موت کی حقیقت یہ ہے کہ تمہارے اس پیکر جسمانی میں جو ایک جوہر لطیف یعنی روح مستور ہے۔ ملک الموت یعنی موت کا فرشتہ اس کو تمہارے جسم سے روح کو پورا پورا نکال لیتا ہے۔ اور پھر اس کے بعد تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رح لکھتے ہیں۔ یعنی۔ تم (اپنے) آپ کو محض بدن اور دھڑ سمجھتے ہو

کہ خاک میں مل مل کر برابر ہو گئے۔ ایسا نہیں تم حقیقت میں جان ہو جیسے فرشتہ لیجاتا ہے بالکل فناء نہیں ہو جاتے (موضح القرآن) یعنی موت فناء کا نام نہیں۔ بلکہ جسم سے روح کی مفارقت اور جدا ہونے کا نام موت ہے اور اسی طرح روح کا جسم سے متعلق ہونیکا نام حیات ہے۔

جواب دیگر

اور اگر فلاسفر کے زعم کے مطابق یہ تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ انسان اسی خاص ہیکل محسوس کا نام ہے جو ان خاص قوی اور مزاج کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ تب بھی ہمارا مدعا ثابت ہے اس لئے کہ جس خدا نے پہلی مرتبہ اپنی قدرت سے اجزاء عنصریہ کو ترکیب اور ترتیب دیکر ان خاص قوی اور خاص مزاج کے ساتھ اس ہیکل محسوس کو پیدا کیا۔ اسی طرح وہ دوسری مرتبہ بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔ وہ ہیکل محسوس جس طرح پہلے ممکن تھا۔ اسی طرح اب بھی ممکن ہے۔ اور قدرت ازلیہ اور مشیت الٰہیہ اسی طرح شان لایزالی اور شان لاابالی رکھتی ہے۔ پھر محال ہونے کی کیا وجہ، آخر استحالہ کس راہ سے آیا کوئی بتائے تو سہی۔ حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے:۔

اولم یر الانسان انا خلقناہ من نطفۃ فاذا ھو خصیم مبین وضرب لنا مثلاً ونسی خلقہ قال من یحیی العظام وھی رمیم۔ قل یحییھا الذی انشأھا اول مرۃ وھو بکل خلق علیم

کیا انسان نے یہ نہیں دیکھا۔ کہ ہم نے اس کو ایک پانی کی بوند یعنی نطفہ سے پیدا کیا ہے کہ جو انسان کے اُن تمام اجزاء لطیفہ کا خلاصہ ہے جو اسکے بدن میں منتشر ہیں۔ انسان پر جب قوت شہویہ کا تسلط ہوتا ہے تو ان متفرق اجزاء لطیفہ کی ایک معین مقدار ماء دافق (نطفہ) کی شکل میں بدن سے جدا ہو کر رحم میں قرار پکڑتی ہے اور پھر اُس نطفہ سے ایک دوسرا انسان پیدا ہوتا ہے۔ سر کے جزء سے سر بنتا ہے اور آنکھ کے جزء سے آنکھ اور کان کے جزء سے کان الیٰ آخرہ۔ پس جس طرح خداوند قدوس اپنی قدرت کاملہ سے جسم کے اجزاء متفرقہ کو جمع کر کے منی بناتا ہے اور پھر منی کے اجزاء مجتمعہ کو اس طرح متفرق کرتا ہے کہ سر کے جزء سے سر بن جائے اور پَیر کے جزء سے پَیر بن جائے۔ اسی طرح وہ علیم و قدیر اور حکیم و خبیر اس پر بھی قادر ہے۔ کہ انسان کے متفرق اجزاء کو جو موت کی

کی وجہ سے زمین میں منتشر ہو گئے ہیں۔ دوبارہ جمع کر کے پھر ان میں حسب سابق حیات اور ادراک پیدا فرما دے۔ اور جو جزء جس محل پر تھا دوبارہ پھر اسی محل پر آجائے۔ خلاصہ یہ کہ (قیامت کا حاصل جمع اور تفریق ہے)

پس جس طرح نطفہ میں جمع اور تفریق ممکن ہے اسی طرح مرنے کے بعد بھی جمع اور تفریق ممکن ہے۔

قیامت کی ایک اور نظیر

دانہ اور گٹھلی میں اگر غور کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ تخم درخت کے اجزاء متفرقہ کا خلاصہ اور مجموعہ ہے۔

کیفیتِ اعادہ

یعنی

حشر و نشر کس طرح ہو گا

کیفیت اعادہ۔ یعنے دوبارہ زندگی کس طرح ہو گی۔ علماء نے اس بارہ میں کلام کیا ہے۔ کہ آیا اجسام اور اعراض عدم کے بعد دوبارہ وجود میں لائے جائیں گے یا فقط انتشار اور تفریق کے بعد اجزاء منتشرہ کو جمع کیا جائے گا۔ بعض علماء کا قول یہ ہے کہ مرنے کے چند روز بعد انسان کے تمام جواہر اور اعراض سب فناء ہو جاتے ہیں۔ اور قیامت کے دن از سر نو تمام جواہر اور اعراض کو وجود عطا کیا جائے گا۔ اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ مرنے کے بعد اجزاء انسانیہ معدوم اور فناء نہیں ہو جاتے۔ بلکہ متفرق اور منتشر ہو جاتے

ہیں۔ حشر کیوقت اللہ تعالیٰ سب اجزاء کو جمع کریگا اور حسب سابق دوبارہ اُن کو پہلی صورت اور پہلی حالت اور پہلی کیفیت پر پیدا فرمائے گا۔

حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے اکثر اجزاء تو معدوم ہو جائیں گے مگر چند اجزاء فناء ہونے سے باقی رہ جائینگے وہ ریڑھ کی ہڈی کے اجزاء ہیں جو انسان کے اجزاء اصلیہ ہیں ان اجزاء اصلیہ کو جو متفرق ہو چکے ہیں انکو دوبارہ جمع کیا جائیگا اور جو اجزاء زائدہ معدوم ہو چکے ہیں اُنکو دوبارہ وجود عطا کیا جائیگا جیسا کہ صحیحین کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

کل ابن آدم یفنی الا عجب الذنب منه یرکب الخلق یوم القیامة۔ ابن آدم مرکر فنا ہو جاتا ہے مگر ریڑھ کی ہڈی کے اجزاء باقی رہ جاتے ہیں قیامت کے دن انہی اجزاء صلیہ کے ساتھ دوسرے اجزاء کو ملاکر ڈھانچہ تیار کیا جائے گا۔

محققین کا مسلک یہ ہے کہ حشر اور اعادہ کا مسئلہ تو قطعی ہے بیشمار آیات اور احادیث متواترہ سے ثابت۔ مگر اعادہ کی کیفیت کا مسئلہ ظنی ہے حشر اور اعادہ دونوں طرح سے ممکن ہے خواہ ایجاد بعد الاعدام ہو یا جمع بعد التفریق ہو سب ممکن ہے اور شریعت کی کسی نص نے اعادہ اور حشر کی کوئی شق متعین نہیں کی۔ اعادہ کی کیفیت کے بارہ میں جسقدر دلائل آئے ہیں سب ظنی الدلالت ہیں۔

شیخ ابن ہمامؒ یہ فرماتے ہیں کہ حق یہ معلوم ہوتا ہے کہ حشر اور اعادہ دونوں کیفیتوں کیساتھ ہوگا۔ جو اجزاء بالکل معدوم ہو چکے ہیں اُن کو دوبارہ وجود عطا کیا جائیگا اور جو اجزاء متفرق اور منتشر ہو چکے ہیں اُن کو جمع کیا جائے گا۔ (مسامرہ صفحہ ۱۰۶)

حضرات اہل علم۔ نبراس شرح۔ شرح عقائد صفحہ ۲۲۴ کی مراجعت کریں۔

حشر و نشر کے متعلق بقدر ضرورت لکھ دیا گیا۔ تفصیل اگر درکار ہو۔ تو اس ناچیز کی تصنیف علم الکلام کی مراجعت کریں۔ اس میں قیامت اور عالم آخرت کے متعلق بہت تفصیل سے کلام کیا گیا ہے۔

رُوح کا بیان

عقیدۂ معاد۔ چونکہ تمام عقائد کی روح ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور معاد کا سمجھنا روح کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ روح کے متعلق بیان کیا جائے کہ وہ کیا

جائے کہ وہ کیا شئی ہے۔

اقوال علماء وحکماء دوبارۂ رُوح انسانی

حکماء

روح انسانی کے بارہ میں حکماء کا قول یہ ہے کہ روح انسانی ایک جوہر مجرد کا نام ہے جو بدن انسانی کی مدبر ہے۔

اطباء

اطباء کے نزدیک روح اس بخار کا نام ہے جو غذاء سے پیدا ہوتا ہے۔ اس قول کی بناء پر روح ایک جسم عنصری ہے کیونکہ بخار جسم عنصری ہے جو عناصر اربعہ کے خلاصہ سے بنتا ہے۔

علماء شریعت

علماء شریعت اس پر متفق ہیں کہ روح حادث ہے قدیم نہیں مگر اس کی حقیقت اور ماہیت کے بیان میں حیران اور سرگرداں ہیں۔ ایک جماعت روح کی ماہیت کے بارے میں توقف کرتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ بندہ روح کی حقیقت اور ماہیت دریافت کرنے کا مکلف نہیں اور شارع علیہ السلام کی طرف سے اس بارہ میں کوئی نص جلی وارد نہیں۔ لہٰذا ہمیں استنباط ان اجتہاد سے کام لینے کی ضرورت نہیں۔ اور جمہور علماء شریعت یہ کہتے ہیں کہ روح ایک جسم لطیف یا جسم نورانی کا نام ہے جو اجسام کثیفہ میں اس طرح نفوذ اور سرایت کے ہوئے ہے، جس طرح آگ کوئلہ میں اور پانی گلاب کے پتوں میں سرایت کئے ہوئے ہے اور اس جسم لطیف کا جسم کثیف کے ساتھ۔۔۔ مفارقت کا نام حیات ہے اور مفارقت کا نام موت ہے، جمہور متکلمین اور محدثین کا یہی مذہب ہے کہ روح ایک جسم نورانی یا جسم لطیف کا نام ہے مگر یہ جسم لطیف عنصری نہیں یعنی ان عناصر سے مرکب نہیں جیسا کہ حضرت شاہ عبد القادرؒ نے سورۃ الم سجدہ کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ انسان کی جان غیب سے آئی ہے مٹی اور پانی سے نہیں بنی۔ بلکہ ایک جوہر سبحانی اور نورانی ہے جو قالب انسانی میں ڈالی جاتی ہے مگر

وہ نظر نہیں آتی۔ خدا تعالیٰ کو جب منظور ہوگا تو اس کو دکھا بھی دیگا۔ ابوہریرہؓ اور ام سلمہؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کیوقت آدمی کی نگاہ تیز ہوجاتی اور انسان نظر اٹھا کر دیکھتا ہے اور اسکی بصر اس کی جان کا تعاقب کرتی ہے۔ حضرات متکلمین فرماتے ہیں کہ نصوص شریعت سے یہی معلوم اور مفہوم ہوتا ہے کہ روح ایک جسم لطیف یا جسم نورانی کا نام ہے مگر وہ جسم عنصری نہیں (۱) حق جل شانہٗ سورۂ سجدہ میں فرماتے ہیں ثم سواہ ونفخ فیہ من روحہ اس سے معلوم ہوا کہ روح منفوخ ہے اور شئی منفوخ کا جسم ہونا عقلاً ضروری اور بدیہی ہے اور چونکہ جملہ ونفخ فیہ من روحہ گذشتہ جملہ یعنی سَوّٰلہ پر معطوف ہے اور عطف میں معطوف اور معطوف علیہ کا مغایر ہونا ضروری ہے اس لئے معلوم ہوا کہ یہ جسم منفوخ اس جسم مسوّی کے مغائر ہے (۲) نیز حق تعالیٰ نے سورۂ مومنون میں آدمی کی پیدائش کے سات مرتبے بیان کیے جن میں سے چھ جسمانی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثُمَّ جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ، فخلقنا المضغۃ عظاماً فکسونا العظام لحما یعنی سلالۃ اور نطفہ علقہ اور مضغہ اور کسوۂ عظام اور پھر ان چھ کے بعد نفخ روح کو اس عنوان سے ذکر فرمایا۔ ثم انشأناہ خلقا اٰخر یعنی پھر ہم نے پیدا کیا اسکو ایک دوسری پیدائش جس سے معلوم ہوا کہ روح۔ علقہ اور مضغہ کے علاوہ کوئی اور نوع کی مخلوق ہے اور ظاہر ہے کہ مضغہ اور علقہ جسم عنصری ہیں پس لامحالہ روح جسم غیر عنصری ہوگا۔ ورنہ اگر روح بھی جسم عنصری ہوتا تو پھر علقہ اور مضغہ کی جنس اور نوع سے ہوتا۔ نوع دیگر نہ ہوتا احادیث میں ہے اذا خرجت روح المؤمن اور انطلقوا بہ اور یعاد روحہ اور ارواح المؤمنین فی طیر خضر تعلق بشجر الجنۃ اور ظاہر ہے کہ یہ سب امور جسم کے خواص اور لوازم میں سے ہیں اور قرآن کریم میں ہے اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخریٰ۔ اس آیت میں ارواح کی توفی اور امساک اور ارسال کو بیان فرمایا۔ جو خواص اجسام میں سے ہیں۔ ولو تریٰ اذ الظالمون فی غمرات الموت والملائکۃ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم۔ اس آیت میں روح کے لینے کیلئے فرشتوں کا ہاتھ بڑھانا اور نکالنا مذکور ہے یہ بھی روح کے جسم ہونیکی دلیل ہے یا ایتھا

النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ اس آیت میں روح کا رجوع اور دخولِ جنت مذکور ہے یہ بھی روح کے جسم ہونے کی دلیل ہے۔ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا بدن میں ایک لطیف بھاپ ہے۔ کہ جو اخلاط کے خلاصہ سے پیدا ہوتی ہے اور تمام قوائے بدنیہ کو حرکت پر آمادہ کرتی ہے اور طبی احکام زیادہ تر اسی بھاپ سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیونکہ اسی بھاپ کے رقیق اور غلیظ ہونے پر قوائے بدنیہ کی حرکت کا دارومدار ہے۔ بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ روح اسی بھاپ کا نام ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھاپ حقیقی روح نہیں بلکہ روح حقیقی کی سواری ہے اور اس کا مادہ ہے۔ اس لئے کہ جو روح ان اخلاط اور غذاؤں سے پیدا ہوتی ہے۔ اس میں بچپن سے لیکر بڑھاپے تک ہزاروں اور لاکھوں تغیر ہوتے رہتے ہیں مگر وہ لڑکا اور بچہ اول سے لیکر آخیر تک بعینہٖ باقی رہتا ہے۔ اس کی ذات میں کوئی تغیر نہیں ہوتا البتہ اوصاف میں تغیر ہوتا رہتا ہے، پس وہ چیز جسکی وجہ سے وہ لڑکا بعینہٖ لڑکا رہا یہ روح بخاری نہیں ہوسکتی اور نہ یہ ظاہری جسم اور بدن ہوسکتا ہے بلکہ وہ اس کے علاوہ ایک جداگانہ چیز ہے اور وہی روح حقیقی ہے جو ایک امرِ ربانی اور جسم نورانی ہے۔ جو انسان کے ساتھ اول سے آخر تک وابستہ رہتا ہے بچہ ہونے کی حالت میں بھی اور جوان ہونے کی حالت میں بھی اس کے ساتھ یکساں متعلق رہتا ہے کبھی جدا نہیں ہوتا، اور یہی جسم نورانی احکام خداوندی کا مکلف اور مخاطب ہے اور یہی ثواب اور عذاب کا مورد ہے اور ظاہر ہے کہ وہ بخار لطیف اور بھاپ نہ احکام خداوندی کی مکلف ہے اور نہ ثواب وعقاب کی مورد ہے۔ فرشتے جس روح کو نکال کر کفن حریری یا کفن پلاسی میں لپیٹ کر لیجاتے ہیں وہ یہی روح نورانی ہے جس پر عالم برزخ کے عجائب نمودار ہوتے ہیں۔ (ماخوذ از حجۃ اللہ البالغہ ص ۳۱ ج ۱)

روح عبارت از چیزیست کہ اقتران آن بجسد سبب حیات جسد وظہور حس وحرکت بالارادہ دران جسد باشد۔ وافتراق آن از جسد سبب موت جسد وزوال حس وحرکت بالارادہ ازان جسد بود۔ تفہیمات الٰہیہ ص ۲۴۷ ج ۱ والنسمۃ (التی ورد ذکرہا فی الاحادیث) جسم ہوائی سارٍ فی البدن الانسانی محفوظ عن التلاشی ویبقی بعد الموت قالہ الشاہ ولی اللہ الدہلوی فی ۶؎

۶؎ الطاف القدس۔ کذا فی فیض الباری ص ۳۴۴ ج ۳

رہا یہ سوال کہ روح کیا چیز ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے۔ سو یہ تحقیق انسان کی حیطۂ عقل اور ادراک سے باہر ہے۔ انسان اپنی عقل سے اشیاء کی خواہ وہ محسوس ہوں یا غیر محسوس فقط ان کے وجود کو جان سکتا ہے اور اُن کے وجود کو ثابت کرتا ہے مگر اُن کی حقیقت نہیں بتا سکتا، انسان یہ بتا سکتا ہے کہ پانی موجود ہے اور آگ موجود ہے مگر اس کی حقیقت نہیں بتا سکتا۔ زیادہ سے زیادہ تشریح کر کے کچھ اُس کے اوصاف اور کچھ اجزاء بتا سکیگا۔ مگر آگے چل کر اُن اجزاء کی حقیقت نہیں بیان کر سکے گا۔ انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ پانی میں اوکسیجن اور ہیڈروجن ہے۔ مگر جب اُس سے یہ پوچھو کہ اوکسیجن اور ہیڈروجن کی حقیقت کیا ہے تو یہ نہیں بتا سکتا پس جب کہ انسان اُن چیزوں کی حقیقت نہیں جان سکتا جو روزمرہ اُس کے مشاہدہ اور تجربہ میں آتی ہیں تو اسی طرح انسان اپنی عقل سے روح کے وجود کو ثابت کر سکتا ہے۔ مگر اُس کی حقیقت کو نہیں بتلا سکتا۔ اسی وجہ سے قرآن کریم نے روح کا موجود ہونا تو بیان کیا۔ مگر اس کی حقیقت نہیں بیان کی کما قال تعالیٰ ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔

حدوث روح

تمام انبیاء و مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کی شریعتیں اس پر متفق ہیں اور کہ روح حادث ہے اور اللہ عزوجل کی مخلوق ہے۔ وہ ایک جوہر نورانی ہے جو قالب انسانی میں ڈالی جاتی ہے۔ مگر نظر نہیں آتی۔ خدا تعالیٰ کو جب منظور ہو گا تو اس کو دکھا بھی دیگا۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الارواح جنود مجندۃ یعنی ارواح جمع کئے ہوئے لشکر ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جمع کی ہوئی چیز قدیم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ مجموع (جمع کردہ چیز) مقہور اور مغلوب ہوتی ہے اور مقہور چیز قدیم نہیں ہو سکتی۔ نیز جمع اور تفرقہ حادث کی صفات میں اور یہ حدیث صحیح ہے۔ تمام آئمہ حدیث اس کی صحت پر متفق ہیں۔

ایک اور دوسری حدیث میں ہے۔

خلق اللہ الارواح قبل الاجساد بالفی عام۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے روحوں کو جسموں سے

دو ہزار سال پہلے پیدا کیا ہے۔

اس حدیث سے بھی روح کا مخلوق اور حادث ہونا صاف ظاہر ہے۔ علاوہ ازیں ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ارواح پیکر انسانی سے بہت پہلے پیدا کی گئیں۔

نیز روح۔ بدن اور جسم میں حلول کرتی ہے اور بدن اس کا محل ہے اور ظاہر ہے جو کسی چیز میں حلول کرتی ہے وہ محدود اور متناہی ہوتی ہے اور وجہ من الوجوہ محل کے تابع ہوتی ہے اور محدود اور متناہی ہونا اور تابع ہونا یہ صفت حادث کی ہے حکماء متقدمین روح کو قدیم مانتے ہیں۔ البتہ حکماء متاخرین روح کو حادث مانتے ہیں۔ مگر وہ روح کو حادث بعد حدوث البدن مانتے ہیں۔ یعنی یہ کہتے ہیں کہ جسم اور بدن کے مکمل ہو جانے کے بعد جب اس میں روح کے تعلق کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ تب روح پیدا کی جاتی ہے

جمہور علماء اسلام کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح کو اجسام سے ہزاروں برس پہلے پیدا اور یہ تمام ارواح حظیرۃ القدس میں رہیں بعد میں انکے رہنے کیلئے اجسام کو پیدا کیا اور وقتاً فوقتاً تقدیر ازلی کے مطابق ہر جسم کے ساتھ اس کی روح کو متعلق بنایا۔ جو ایک معین زمانہ تک اس جسم سے متعلق رہتی ہے۔ اور پھر اس سے جدا ہو جاتی ہے۔ کما قال تعالیٰ

واذاخذ ربک من بنی آدم من ظھورھم ذریتھم واشھدھم علی انفسھم الست بربکم قالوا بلی شھدنا۔

اور یاد کرو اس وقت کو جبکہ تیرے پروردگار نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا اور ان کو خود انکی جانوں پر گواہ بنایا۔ کیا میں تمہارا رب نہیں۔ سب نے کہا بے شک آپ ہمارے رب ہیں اور ہم خود اس کے گواہ ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ یہ عہد الست ہماری ارواح سے لیا گیا تھا جس وقت ہمارے بدن موجود نہ تھے

شرح عقیدۂ سفارینیہ ص ۲۸ ج ۲

اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ وہ عہد تو اب یاد نہیں رہا تو پھر کیا حاصل۔ تو جواب یہ ہے کہ وہ عہد اگرچہ تفصیلی طور پر یاد نہیں رہا لیکن اس کا نشان ہر کسی کے دل میں موجود ہے۔ اور ہر زبان پر جاری ہے کہ ہمارا ایک پروردگار ہے۔ جب کوئی تکلیف پیش آتی ہے تو دل اور زبان سے اسی پروردگار کا نام نکلتا ہے! اور اسی سے مانگنے کے لئے ہاتھ اٹھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے

حضرات انبیاء کرام کو اسی عہد کے یاد دلانیکے لئے دنیا میں بھیجا جس نے اس عہد کو پورا کیا وہ خوش نصیب ہوا اور جس نے بیوفائی اور بدعہدی کی وہ محروم ہوا ؎

الست از ازل ہمچناں شان بگوشس ۔ بفریاد قالوا بلیٰ در خروشس ،

مرنیکے بعد رُوح فنا نہیں ہوجاتی

آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح کالب سے جُدا ہونیکے بعد فنا نہیں ہوجاتی بلکہ دوسرے عالم میں منتقل ہوجاتی ہے اور نہ اسکے ادراکات ختم ہوجاتے ہیں بلکہ اُسکے ادراکات بحال قائم رہتے ہیں اور وہ کلام حق کو سنتی ہے اور فرشتوں کے خطابات کو سمجھتی ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر سے فرمایا۔

ان اللہ کلم اباک کفاحا ۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ سے بالمشافہہ کلام کیا۔

اور احادیث میں ہے کہ اصحاب بئر معونہ کے حق میں یہ کلام نازل ہوا۔ بلغوا عنا قومنا انا لقینا ربنا فرضی عنا وارضانا۔ یعنی ہماری قوم کو یہ پیغام پہونچا دو۔ کہ ہم اپنے پروردگار سے جا ملے اور وہ ہم سے راضی ہوا اور اُس نے ہم کو راضی کر دیا۔

ظاہر ہے کہ یہ سارا مکالمہ ارواح سے تھا ۔۔۔۔۔۔۔ اجسام سے نہ تھا۔ موت سے۔ روح کا اس جسم عنصری سے تعلق منقطع ہوجاتا ہے۔ اور اس جسم کے بجائے دوسرا جسم روح کا مرکب بن جاتا ہے۔ جس کو جسم مثالی کہتے ہیں۔ اب روح اُس جسم مثالی کے ذریعہ اپنے منافع اور لذات کو پورا کرتی ہے اور مرنے سے روح کی قوت و صفات میں کوئی کمی نہیں آجاتی بلکہ بہ نسبت پہلے کے کچھ ترقی اور زیادہ ہی ہوجاتی ہے۔ کیونکہ عالم برزخ کا جسم مثالی۔ اس دنیاوی جسم عنصری سے کہیں زیادہ لطیف اور قوی ہوتا ہے۔

عالم برزخ

عالم آخرت کا پہلا مسئلہ عالم برزخ کا مسئلہ ہے۔ حدیث میں ہے۔ من مات فقد قامت قیامتہ۔ جو شخص مرا اس کی قیامت آگئی۔ یہ قیامت صغریٰ ہے اس قیامت صغریٰ یعنی مرنیکے

بعد سے نفخ صور تک جو زمانہ گذرتا ہے اس کا نام برزخ ہے کیونکہ موت عدم اور فناء کا نام نہیں بلکہ جسم سے روح کی مفارقت اور جدائی کا نام موت ہے۔

پس جب روح کا جسم سے ظاہری تعلق منقطع ہو گیا تو حشر تک اس روح کے لئے کوئی مستقر چاہیے کہ روح اس مستقر میں ٹھہری رہے۔ شریعت کی اصطلاح میں اس درمیانی قرارگاہ کا نام برزخ ہے۔ اس لئے کہ برزخ کے معنی پردہ اور درمیانی حالت کے ہیں۔ اور مرنے کے بعد کی حالت بھی۔ عالم دنیا اور عالم آخرت کی درمیانی حالت ہے اس لئے اس حالت کا نام برزخ ہو گیا۔ کما قال تعالیٰ

ومن ورائهم برزخ الی یوم یبعثون — اور اُنکے مرنیکے بعد ایک پردہ ہے کہ جس میں حشر اور بعث تک رہیں گے۔

عالم تین ہیں۔ ایک عالم دنیا اور ایک عالم برزخ اور ایک عالم آخرت۔ چونکہ عالم برزخ۔ عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان ہے۔ اس لئے اس کو عالم برزخ کہتے ہیں اور احادیث میں جو عذاب قبر اور ثواب قبر کا ذکر آیا ہے وہاں قبر سے وہ گڑھا مراد نہیں جسمیں مُردہ کو دفن کیا جاتا ہے بلکہ اس سے یہی عالم برزخ مراد ہے اس میں مردہ سے سوال و جواب اور اس میں ثواب و عذاب ہو گا اگر کسی کو بھیڑیئے اور شیر نے کھا لیا تو وہی اس کیلئے برزخ ہے اور اگر اُس کو جلا دیا گیا تو جہاں اس کے اجزاء ہوں گے اسی جگہ اس کو یہ واقعات پیش آئیں گے۔ لیکن چونکہ شریعت میں دفن کرنے کا حکم ہے۔ اس لئے احادیث میں عالم برزخ کو قبر سے تعبیر کیا گیا۔

عذاب قبر کا مسئلہ قطعی نصوص سے ثابت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کا اپنی دعاؤں میں عذاب قبر سے پناہ مانگنا تواتر کو پہونچا ہے۔ جو لوگ عذاب قبر کے منکر ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم میت کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اس کے بدن پر کوئی علامت عذاب کی محسوس نہیں ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ عذاب جو قبر میں ہوتا ہے وہ دوسرے عالم کا ہے یعنی عالم برزخ کا ہے، وہ اس عالم شہادت اور جسمانی اور حسّی آنکھوں سے کیسے نظر آئے۔ ایک آدمی عالم رؤیا میں عجیب و غریب چیزیں دیکھتا ہے

اور جو شخص اس کے پاس بیٹھتا ہے اُس کو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ اب اگر یہ شخص خواب سے بیدار ہو کر عالم رویاء کے واقعات اور کیفیات کو ایسے شخص کے سامنے بیان کرے کہ جسکو کبھی سونے اور خواب دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا ہو تو وہ فوراً اس کا انکار کر دے گا اور ایک لمحہ کیلئے اس کے تسلیم کرنے کیلئے تیار نہ ہوگا۔ اور اس خواب دیکھنے والے سے کسی دلیل عقلی کا بھی مطالبہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی اس سے دلیل عقلی پوچھے تو اس کو احمق بتایا جائے گا۔ اور خواب دیکھنے والا یہ کہے گا کہ غالباً آپ کبھی سوئے نہیں۔ جب تم سوؤ گے تو تم پر یہ باتیں واضح ہو جائیں۔ اسی طرح ہمارا بھی یہی جواب ہے کہ جب مرو گے معلوم ہو جائے گا۔ کہ وہاں کیا گذرتی ہے۔

پرسید یکے عاشقی چیست گفتم کہ چو ما شوی بدانی

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ واصحابہ اجمعین۔ وعلینا معہم یا ارحم الراحمین۔ فاطر السموٰت والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔ آمین یا رب العالمین۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔ آمین

محمد ادریس کان اللہ لہٗ

۱۱ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ

لاہور۔ کوچہ لکشمی نرائن

تحریکِ دعوت و اِصلاح

ایک جامع اور ہمہ گیر تبلیغی نظام

چند ماہ پیشتر مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کی تقاریر، مواعظ اور مضامین کی اشاعت کا جو سلسلہ شروع کیا گیا تھا وہ بحمد اللہ ہماری توقعات سے بڑھکر کامیاب رہا احباب نے جس خلوص اور گرمجوشی سے ان تقاریر کی توسیع اشاعت میں حصہ لیا اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ اس دور میں بھی نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین برحق کی خدمت کا صحیح جذبہ رکھنے والے بندگان خدا کی کوئی کمی نہیں بہرکیف یہ صورت حال ہم سب ہی کے لئے مسرت کا باعث ہے۔

اب ادارہ اشرف التبلیغ اور علمی مرکز کے باہمی اشتراک سے اس تحریک کو زیادہ منظم طریقہ پر چلانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ اور نوعیتِ کار یہ رکھی گئی ہے کہ پندرھویں روز مولانا کی ایک تقریر، وعظ، یا مقالہ کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ ان کتابچوں کی قیمت عام طور پر ایک آنہ ہوگی لیکن صفحات زیادہ ہونے کی صورت میں دو آنے یا اس سے کچھ زائد بھی ہوسکتی ہے۔ لیکن کوشش یہی کیجائے گی کہ قیمت کم از کم ہو۔ لاہور سے باہر رہنے والے حضرات ہر ماہ چار آنے کے ٹکٹ ارسال فرماکر مہینہ کی دونوں تقریریں حاصل کریں (دو آنے دو تقریروں کی قیمت اور دو آنے محصول ڈاک)

جو احباب یا تاجرین کتب یہ رسائل زیادہ تعداد میں منگائیں گے ان کو معقول رعایت دیجائیگی وہ علمی مرکز لاہور کو خط لکھکر تفصیلات طلب کریں۔ ہر مسلمان اس تبلیغی تحریک وسیع اور ہمہ گیر بنانے میں گرمجوشی سے حصہ لے!

محمد میاں صدیقی

لاہور - یوم دوشنبہ ۱۳ جون سنہ ۱۹۶۰ء

قابلِ مطالعہ کتابیں

سیرتِ مصطفیٰ :۔ مولانا الحاج محمد ادریس صاحب کاندھلوی نبی کریم علیہ السلام کی بہترین اچھوتی اور مستند سوانح زندگی مجلد چھ روپے ۶/

علم الکلام :۔ مولانا محمد ادریس صاحب۔ علم الکلام پر اردو میں بے نظیر کتاب پنجاب یونیورسٹی کے ایم اے اسلامیات میں داخل ہے۔ عمدہ کتابت وطباعت مجلد چار روپے ۴/-

ختم نبوت :۔ مولانا محمد ادریس صاحب بارہ روپے ۰/۱۲

حیاتِ عیسٰی :۔ " " " پندرہ روپے ۰/۱۵

عقائدِ اسلام :۔ " " " دو روپے آٹھ آنے ۲/۸

معارف القرآن :۔ (سورۃ فاتحہ) دس آنے ۰/۱۰

مقاماتِ حریری :۔ مولانا محمد ادریس صاحب نو روپے ۹/-/-

مقاماتِ حریری :۔ (محمد میاں صدیقی) مقاماتِ حریری کا بہترین اور بامحاورہ اردو ترجمہ بسیط شرح اور حل لغات قیمت سات روپے ۷/-

الخیر الکثیر :۔ عربی۔ شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ دو روپے ۲/-

زبدۃ المناسک :۔ مسائل حج پر بہترین اور مستند کتاب ایک روپیہ آٹھ آنے ۱/۸

راہنمائے حجاج " " " ایک روپیہ چار آنے ۱/۴

زمینداری کا شرعی نظام " " بارہ آنے ۰/۱۲

حکایاتِ صحابہ قیمت	۲/۱۰	سیرت کبریٰ مجلد	۱۰/۸
نصیحۃ الشیعہ	۶/۰	فضائل نماز	۱/۰
اسلامی افسانے	۶/۸	فضائل تبلیغ	۰/۶
عقائد علمائے دیوبند	۶/۹	" حج	۳/۴

علمی مرکز :۔ لکشمی نرائن اسٹریٹ ۔ انارکلی ۔ لاہور